

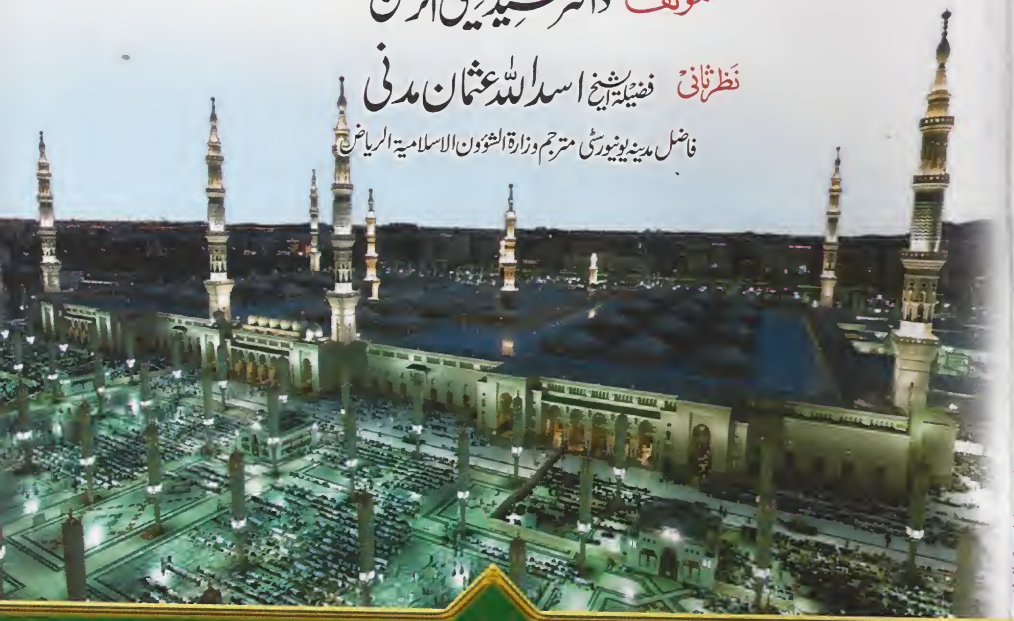


اهمیت • تقاضا • غلو

مؤلف ڈاکٹر سید شفیق الرحمن

نظر ثانی فضیلہ شیخ اسد اللہ عثمان مدنی

فاضل مدینہ یونیورسٹی مترجم وزارت الشؤون الاسلامیہ الرياض



مَنْبَر التَّوْحِيدِ وَالسُّنَّةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



اہمیت / تقاضا / غلو

مؤلف ڈاکٹر سید شفیق الرحمن رحمہ اللہ

نظارتی فضیلہ شیخ اسد اللہ عثمان مدنی

فاضل مدینہ یونیورسٹی مترجم وزارت الشؤون الاسلامیہ والیاض



سلفی کتب خانہ

40/A نور الحق کالونی بہاولپور

0344-4762077 0303-6737672

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب

حُبِّ رَسُولِ ﷺ

اہمیت، تقاضا، غلو

مؤلف

ڈاکٹر سید شفیق الرحمن

نظر ثانی

فنیہ شیخ اسد اللہ عثمان مدنی

فاضل مدینہ یونیورسٹی

مترجم و رازۃ الشؤون الاسلامیۃ الریاض

اگست 2012ء

اشاعت

گیارہ سو

تعداد

قیمت

ڈسٹری بیوٹر

الحرم پبلیکیشنز

B-3 افراسنہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

042-37241053

0300/0322-4814274

ہم سلف و ابائے منہج اہل سنت کا داعی

مَنْبِیُّ التَّوْحِيدِ وَالسَّنَةِ

0344-4762077

0303-6737672

40/A نور الحق کالونی بہاولپور

فہرست کچھ مضامین

- ۱۔ محبت کی اقسام ----- 6
- ۲۔ حب رسول ----- 8
- ۳۔ رسول اللہ ﷺ کی انسانیت سے محبت ----- 11
- ۴۔ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سچی محبت ----- 15
- ۵۔ رسول اللہ ﷺ کے چند اوصاف ----- 23
- ۶۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کو پہنچنے والی تکالیف کا اجمالی ذکر ----- 25
- ۷۔ ظلم و ستم کی وجہ دعوت تو حید ----- 27
- ۸۔ قبروں کے بارے میں شرعی احکامات ----- 29
- ۹۔ حب رسول ﷺ کے اظہار میں غلو ----- 31
- ۱۰۔ محبت رسول ﷺ کے دعویداروں کے اقوال ----- 34
- ۱۱۔ یدعون کا ترجمہ پکارنا غلط ہے ----- 39
- ۱۲۔ من دون اللہ میں صرف بت داخل ہیں ----- 41
- ۱۳۔ معجزات: صحابہ کا رسول ﷺ سے مدد مانگنا ----- 44
- ۱۴۔ ایک عام آدمی اور اللہ کے نبی ﷺ کو برابر کرنا ----- 49
- ۱۵۔ جبرائیل کا بیٹا دینا ----- 52
- ۱۶۔ سارا معاملہ حضور ﷺ کے ہاتھ کریمانہ میں ہے ----- 54
- ۱۷۔ دین و دنیا کی ہر نعمت حضور ﷺ بانٹتے ہیں ----- 60
- ۱۸۔ تعاون علی البر سے فوت شدگان سے استمداد پر استدلال ----- 66

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ
وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ۔ اَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي
فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلُ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآئِيَةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (البقرة: ۱۶۴)

”بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے ایک دوسرے کے
پیچھے آنے جانے میں، کشتیوں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے
لیے رواں دواں ہیں، بارش میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس سے زمین
کو مرنے (خشک ہونے) کے بعد زندہ (سرسبز) کرنے میں، زمین پر ہر قسم کے
جانور پھیلانے میں، ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے
درمیان گھرے رہتے ہیں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

آیت کریمہ اس بات پر شاہد ہے کہ کائنات کا سازا نظام اللہ اکیلے کے اختیار میں
ہے۔ جو شخص عقل سے کام لے کر کائنات کے نظام پر غور کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید آسانی
سے سمجھ سکتا ہے اور جو رب کائنات پر سوچ سمجھ کر ایمان لاتا ہے یقیناً وہ سب سے زیادہ محبت
اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرة: ۱۶۵)

”اور ایمان والوں کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہے۔“

کیونکہ محبت اسی سے ہوتی ہے جو مشکل میں کام آئے، خطرات، نقصانات اور حادثات میں تحفظ مہیا کرے، ضروریات کو پورا کرے اور اس کا خیال و محبت دل کو تسکین اور روح کو اطمینان بخشنے اور جس میں یہ ساری خوبیاں مستقل بالذات ہوں جن کے زوال کا خیال تک بھی محال ہو یقیناً ان سب کے کامل ترین حصول کا سوائے اللہ کے کسی سے تصور کرنا بھی کفر ہے، اس لیے مومن اللہ تعالیٰ کے برابر کسی دوسرے سے محبت نہیں کر سکتا۔

محبت کی دو قسمیں ہیں:

۲۔ خاص محبت

۱۔ مشترک محبت

۱۔ مشترک محبت:

اس کی تین اقسام ہیں:

۱: طبعی محبت:..... بھوکے کو کھانے اور پیاسے کو پانی سے محبت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو بیٹھا اور شہد پسند تھا۔ ❶

ب: شفقت و رحمت کی محبت:..... جیسے باپ اور بیٹے کی محبت ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے محبت کرتے تھے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سب

بیویوں سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ ❷

ج: انیسیت کی محبت:..... جیسے ان لوگوں کی محبت جو کسی وصف، تجارت یا کسی اور امر

میں شراکت دار ہوتے ہیں۔ یا سکول کے ہم جماعت لڑکوں کی آپس میں محبت۔

مشترک محبت کی تینوں اقسام مخلوق میں پائی جاتی ہیں۔ ان کا پایا جانا اللہ تعالیٰ کی محبت

میں شرک نہیں ہے۔

❶ بخاری: ۵۲۶۸، مسلم: ۱۴۷۴۔

❷ بخاری: کتاب فضائل الصحابہ۔

۲۔ خاص محبت

یہ وہ محبت ہے جو اللہ کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں۔ یعنی محبت عبودیت جو اللہ کے سامنے زلت، عاجزی، تعظیم، کمال اطاعت اور اسے ہر چیز پر مقدم کرنے کا نام ہے۔ یہ خاص محبت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ مومنوں سے محبت کرتا ہے:

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدة : ۵۴)

خاص محبت کا کمال تین باتوں پر موقوف ہے۔

- ۱۔ کامل محبت :..... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔
- ۲۔ اپنے محبوب کے محبوب سے محبت رکھنا محبت کو پورا کرنا ہے۔ مومن انبیاء اور اولیاء سے محبت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں۔ اس محبت میں کوئی دوسری غرض شامل نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ سے کمال محبت کی دلیل ہے۔
- ۳۔ اس محبت سے ٹکرانے والی ہر چیز سے بغض رکھنا۔ محبوب کے دشمنوں کو اپنا دشمن جاننا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص میں تین خصلتیں پائی گئیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پایا:

- (۱) ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک دوسری ہر چیز سے محبوب ہو۔

(۲) یہ کہ کسی شخص سے محض اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کرے۔

- (۳) اور یہ کہ وہ کفر میں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا ہے، دوبارہ لوٹ جانے کو اتنا ہی ناپسند سمجھے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند سمجھتا ہے۔“^①

نبی ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يَقَرِّبُنِي إِلَى

حُبِّكَ.))

”میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں، اور ان لوگوں کی محبت کا بھی سوال کرتا ہوں جو تجھ سے محبت رکھتے ہیں، ایسے عمل کا بھی طلب گار ہوں جو تیری

محبت سے قریب تر کر دے۔“ ①

اللہ تعالیٰ سے یہ محبت وہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر صحیح ایمان رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو توحید خالص کی بہترین انداز میں تعلیم دی۔ آپ سیدنا ابن عباس کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اے نوجوان! (میری بات غور سے سن!) میں تجھے چند باتیں سکھاتا ہوں، انہیں یاد کر لے:

(وہ یہ کہ) تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر، وہ تیری نگہبانی کرے گا۔ تو اللہ کی طرف دھیان رکھ، تو اسے اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کچھ مانگے تو صرف اللہ سے مانگ، جب مدد چاہے تو اسی سے مدد کا سوال کر، اور جان لے کہ اگر سب لوگ اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ تمہیں کوئی نفع دیں تو تمہیں نفع نہیں دے سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر سب لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائیں تو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ (تقدیر کے) قلم (سب کچھ لکھ کر) اٹھا دیئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ ②

حب رسول:

ایک مومن ہر اس چیز سے محبت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو اور ہر وہ چیز مومن کو محبوب ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی قربت کا باعث بنے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ امام الانبیاء اور خلیل اللہ ہیں، اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبت نبی رحمت ﷺ سے ہونی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور محبت کا مقام قلب، زبان اور اعضاء ہیں۔

① ترمذی: ۳۴۹۰۔

② ترمذی، ۲۰۱۶، صحیحہ البانی۔

قلب کی تعظیم:

قلب کی تعظیم یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ کی محبت کو اپنی جان، اولاد، والدین اور تمام لوگوں پر مقدم کیا جائے۔ اس محبت کی تصدیق آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کے مقصد کو قبول کرنے سے ہوگی۔ آپ کی بعثت کے مقاصد میں دو باتیں بنیادی ہیں۔

۱: توحید خالص سے محبت:..... محمد بن عبد اللہ ﷺ ہی وہ شخصیت ہیں جن کے ذریعے ہمیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت اور اللہ کے دین کا صحیح فہم حاصل ہوا۔ آپ نے دعوت توحید کی خاطر اپنی جان، مال، وقت غرض یہ کہ ہر چیز وقف کر رکھی تھی۔ اور آپ ﷺ نے شرک کے تمام وسائل کاٹ دیئے تھے کیونکہ توحید خالص دین اسلام کی اصل ہے۔ اگر کوئی آپ کی تعظیم اور آپ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر اسے آپ کی دعوت پسند نہیں اور وہ آپ کی دعوت کی مخالفت کرتے ہوئے شرک کرتا ہے تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ جو شخص اسلام کا صحیح فہم حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ سیرت رسول ﷺ کے مطالعہ کے ذریعے دین کی روح تک پہنچے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت نبوت بخشی جب انسانیت اللہ تعالیٰ کو بھول کر شرک و کفر کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اللہ کے گھر خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان حالات میں انسانیت کو نجات کا راستہ دکھایا اور اسے کامیابی کی راہوں پر گامزن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمانے کا مقصد یوں بیان کیا:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (الصف: ۹)

”وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔“

۲: رسول اللہ ﷺ کی سچی متابعت:..... آپ ﷺ سے سچی محبت یہ ہے کہ



آپ کے ہر فیصلے پر راضی ہو، اسے تسلیم کرنا والا ہو، اور دل کی بشارت کے ساتھ اس پر عمل کرنے والا ہو اور ہر وہ قول اور عمل جو آپ کے راستے کے خلاف ہو اس کی طرف التفات بھی نہ ہو، آپ کی دی ہوئی ہر خبر کی تصدیق کرنے والا ہو۔

زبان سے تعظیم:

زبان کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کی مدح و ثناء ان امور کے ساتھ کی جائے جن امور کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بہتر آپ کی مدح کوئی نہیں کر سکتا۔ اور کثرت سے آپ پر درود بھیجے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میرے پاس فرشتہ آیا اور کہنے لگا اے محمد کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کا رب فرماتا ہے تمہاری امت میں سے کوئی شخص جو تم پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے میں اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہوں اور جو ایک مرتبہ سلام بھیجتا ہے میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجتا ہوں۔“^①

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”میری امت میں سے جس شخص نے خلوص سے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس دفعہ رحمتیں بھیجتا ہے، اس کے دس درجات بلند کرتا ہے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس غلطیاں مٹائی جاتی ہیں۔“^②

اعضاء سے تعظیم:

اعضاء سے تعظیم یہ ہے کہ آپ کی اطاعت ہو، جس طرح آپ نے دین کے غلبہ کے لیے محنت کی ہے ویسے ہی دعوت کے میدان میں محنت کی جائے اور دین کے راستے میں حسب استطاعت جہاد کیا جائے۔

① سلسلہ الاحادیث الصحیحہ للالبانی ۸۲۹۔

② سلسلہ الاحادیث الصحیحہ للالبانی ۳۳۶۰۔

رسول اللہ ﷺ کا انسانیت سے محبت:

آپ انسانیت کے لیے حد درجہ رحم دل تھے۔ آدم کی اولاد سے آپ کو سچا پیار تھا۔ اس لیے انہیں جہنم کے عذاب سے بچانے کے لیے آپ نے ہر ممکن کوشش کی۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی تو پروانے اس آگ کی طرف لپکنے لگے اور وہ انہیں بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ میں بھی تم کو کمر سے پکڑ پکڑ کر بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم پروانوں کی طرح آگ کے گڑھے کی طرف لپکتے ہو۔^①

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمتہ العالمین قرار دیا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)

”اور (اے محمد) ہم نے تم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ سے ہر وہ شخص محبت کرے گا جو یہ دیکھے گا کہ آپ ﷺ اپنی امت کے سب سے زیادہ خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبہ: ۱۲۸/۹)

”لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری تکلیف ان کو

گراں معلوم ہوتی ہے۔ تمہاری بھلائی نہایت چاہنے والے اور مومنوں پر کمال

مہربان اور رحیم ہیں۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ آپ اپنی

امت کے بہت خیر خواہ تھے اسی لیے قدم قدم پر آپ نے اپنے امت کی رہنمائی فرمائی۔ اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿آل عمران: ۱۶۴﴾

”بلاشبہ اللہ نے مومنوں پر بہت احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا تھا ان کو سنوارتا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”جنت سے قریب کرنے والی اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی چیز باقی نہیں بچی جسے میں نے بیان نہ کر دیا ہو۔“^①

رسول اللہ ﷺ نے اپنی عظیم شہادت کو خود بیان فرمایا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر مومن کے ساتھ دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ تعلق رکھنے والا ہوں جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۶)

”بلاشبہ نبی مومنوں کے لیے خود اپنی جانوں سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔“^②

رحمۃ للعالمین کی اپنی امت سے محبت کا بہت بڑا ثبوت اور آپ کی کمال شفقت ہے کہ آپ نے اپنی دعا کو اس امت کی بخشش کے لیے قیامت کے دن تک کے لیے محفوظ کر رکھی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہر نبی کے لیے ایک قبول ہونے والی دعا (عطا کی گئی) تھی۔ تو ہر نبی نے اپنی دعا مانگنے میں (دنیا کے اندر ہی) جلدی کر لی۔ اور میں نے اپنی دعا کو قیامت والے دن تک اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا رکھا ہے۔ اور یہ ضرور ان شاء اللہ پوری ہونے والی ہے ہر اس مومن کے لیے جو اس حال میں مرا کہ وہ اللہ

کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو۔“ ①

قیامت کے دن حشر کے میدان میں رسول اللہ ﷺ شفاعت کریں گے اور آپ کو مقام محمود حاصل ہوگا۔ آپ نے اپنی شفاعت کی کیفیت یوں بیان کی ”میں اپنے رب سے شفاعت کی اجازت چاہوں گا، پس مجھے اس کی اجازت دے دی جائے گی۔ جب میں اپنے رب کا دیدار کروں گا تو سجدے میں گر جاؤں گا۔ اور وہ جب تک چاہے گا مجھے اسی حالت میں چھوڑے رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ میرا سینہ کھول دے گا اور اپنی تعریفیں میرے اوپر الہام کرے گا۔ پس میں اس کی وہ تعریفیں کر سکوں گا جن کی اب میں قدرت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہی میری طرف وہ تعریفیں وحی کرے گا۔ پھر (اللہ رب العالمین کی طرف سے) کہا جائے گا: (اے محمد!) اپنا سر اٹھائیے! اور مانگیے آپ کو دیا جائے گا۔ کہیے! آپ کی بات سنی جائے گی۔ سفارش کریں! آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ تو میں اپنا سر (سجدے سے) اٹھاؤں گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ (اور کہوں گا:) ”اے میرے پروردگار! میری امت، میری امت (یعنی اے اللہ! میری امت کو بخش دے۔)“ تو مجھ سے کہا جائے گا: جانیے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اسے جہنم سے نکال لیجئے۔“ ②

رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت سے اتنی محبت تھی کہ آپ ان کی بخشش کی فکر میں رو پڑتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلَّلَنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غُفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (ابراہیم: ۳۶)

”(ابراہیم کہیں گے) اے میرے رب! ان معبودوں نے تو بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا لہذا جس نے میری اتباع کی وہ یقیناً میرا ہے اور جس نے میری

نافرمانی کی سوتو معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

﴿إِنْ تَعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (المائدہ: ۱۱۸)

”(عیسیٰ کہیں گے: اے میرے پروردگار!) اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف فرمائے بلاشبہ تو غالب اور حکمت والا ہے۔“

اور پھر اپنے دونوں ہاتھ (دعا کے لیے) اٹھالیے اور عرض کی: ”اے اللہ! میری امت، میری امت، میری امت۔“ (کو اپنے عذاب سے بچا لینا) اور آپ ﷺ رو پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا اے جبرائیل محمد کے پاس جاؤ اور ان سے جا کر پوچھو: ”تمہیں کوئی بات رلاتی ہے؟“ تو جبرائیل نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا۔ آپ ﷺ نے (اپنی امت کی فکر میں ردنا) جبریل کو بتلایا جبکہ اللہ تو خوب جانتا ہے۔ (کہ اس کا بندہ اور محبوب نبی اپنی امت کی فکر میں کس قدر پریشان ہے) تو اللہ رب العالمین نے جبریل کو (دوبارہ پھر زمین کی طرف بھیجتے ہوئے) فرمایا ”اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور کہو: ہم آپ کو آپ کی امت کے معاملے میں خوش کر دیں گے اور آپ کو ناراض نہیں کریں گے۔“ ❶

آپ کا انسانیت سے محبت کا عظیم الشان مظاہرہ فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ بیس سال تک آپ کے خلاف لڑنے والے اور آپ کو ہر طرح کی تکلیف پہنچانے والے مشرکین مکہ آپ کے سامنے بے بس تھے۔ آپ فاتحانہ شان سے مکہ معظمہ کی بلندی کی طرف سے شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کی اونٹنی پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ❷

رحمۃ العالمین نے اپنے جان کے دشمنوں کے لیے معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ”جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے۔ جو ہتھیار ڈال

❶ مسلم: ۳۴۶- (۲۰۲)۔

❷ بخاری ۴۲۸۹ مسلم ۱۳۲۹

د۔ ۷ وہ امن میں ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے۔“ ①

آپ نے قرآن سے فرمایا:

”تمہارا کیا نبال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾

”آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔“

جاؤ تم سب آزاد ہو۔“ ②

جب جنگ حنین میں مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو آپ نے قریش کے آدمیوں میں سے ہر ایک کو سو سواونٹ دیئے۔ سیدنا صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ نے سواونٹ دیئے پھر سواونٹ دیئے پھر سواونٹ دیئے وہ کہتے ہیں اللہ کی قسم آپ نے مجھے جو کچھ دیا وہ خوب دیا۔ مجھے سب سے زیادہ آپ سے بغض تھا۔ اس کے بعد آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ ③

آپ نے فرمایا:

”میں ایسے لوگوں کو مال دیتا ہوں جن کا کفر کا زمانہ قریب ہوتا ہے۔ میں ان کی

حالت کی اصلاح چاہتا ہوں اور ان کی تالیف قلوب کرتا ہوں۔“ ④

رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سچی محبت:

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کی محبت انسان کے دل میں ڈالی ہے۔ اگر مخلوق کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہ ڈالتا تو کوئی بچہ پروان نہ چڑھتا۔ ماں میں جذبہ ایثار و قربانی اور اپنے بچے سے قریب سے قریب تر ہونے کی ٹپ اور اس کو خوش دیکھ کر آنکھوں کی

② سیرۃ النبی لابن ہشام: ۳۱۴/۴۔ ۳۱۔

① مسلم: ۱۷۸۰۔

④ بخاری: ۳۱۴۷۔ مسلم: ۱۰۵۹۔

③ مسلم: ۲۳۱۳۔

ٹھنڈک اور دل کا سرور یہ سب محبت ہی کے کمالات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی سچی محبت کا حق یہ ہے کہ ہم ان پر اپنی محبوب ترین چیزوں کو قربان کر کے تسکین قلب اور دل کا سرور محسوس کریں اور دوسری تمام چیزوں کی محبت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے تابع رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے محبت کو فرض قرار دیا اور بتا دیا کہ اگر تم اللہ، اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ کسی اور چیز سے محبت کرو گے تو تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو سکتا ہے۔

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنََهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾

(التوبة: ۲۴)

”کہہ دو اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان کے آدمی، مال جو تم کھاتے ہو، تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔“

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ اپنے جان سے زیادہ اگر تم مجھ سے محبت نہیں کرو گے تو تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ تو انہوں نے اپنا محاسبہ کیا پھر اس بات کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے اظہار کیا کہ آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار عرض کیا کہ ”اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے اپنی جان

کے علاوہ سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں اے عمر! (ایمان یہ ہے کہ) تیری جان سے بھی زیادہ میں تجھے محبوب ہو جاؤں۔“ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں اے عمر!“ ❶

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔“ ❷

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں اس کے نزدیک اس کے اہل، مال اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔“ ❸

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے شدید محبت کرتے تھے، انہیں دنیا و آخرت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کی شدید آرزو تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین میں مال غنیمت کو مکہ کے رہنے والے ان لوگوں پر تقسیم کیا جو اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اور انصار کو کچھ نہ دیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی مغفرت کرے آپ قریش کو دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں جبکہ ہماری تلواریں ان کے خون سے آلودہ ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں ان لوگوں کو اسلام پر ثابت قدم رکھنے کے لیے مال دیتا ہوں۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ مال لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں مجھے لے جاؤ؟ اللہ کی قسم تم جس چیز کو لے کر لوٹو گے وہ اس سے بہتر ہے جسے لوگ لے کر جائیں گے۔ انصار صحابہ نے کہا

❶ صحیح بخاری: ۱۴۔

❷ بخاری: ۶۶۳۲۔

❸ بخاری: ۱۵، مسلم: ۴۴۔

اے اللہ کے رسول! ہم اس پر راضی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد تم اپنی بارے میں بجل پاؤ گے پس صبر کرنا یہاں تک کہ حوض پر مجھ سے ملاقات کرو۔“ ❶

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے اللہ انصار پر، انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر رحم فرما۔“

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”لوگ آپ کی بات سن کر اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور وہ کہنے لگے: ہم رسول کو پا کر راضی ہو گئے۔“ ❷

گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھ لیا کہ سب سے بڑی غنیمت یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو لے کر اپنے بستی میں لوٹ رہے ہیں۔ وہ آپ کی رفاقت کو پا کر بکریوں، اونٹوں اور غلاموں کو بالکل بھول گئے۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی طرح جنت میں بھی آپ کی رفاقت حاصل ہو جائے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا:

”تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟“ اس نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کی محبت، آپ نے فرمایا: ”بے شک تم اس کے ساتھ ہو جس کے ساتھ تم نے محبت کی۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسلام لانے کے بعد کسی بات سے اتنی زیادہ مسرت نہ ہوئی جتنی آپ کے اس فرمان سے ہوئی۔ میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں آخرت میں انہی کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں نے ان کے برابر اعمال نہیں کیے۔ ❸

❶ بخاری: ۴۳۳۱، مسلم: ۱۰۵۹۔ ❷ فتح الباری، کتاب المغازی: ۴۳۳۰ صحیحہ

❸ بخاری: ۳۶۸۸۔ مسلم: ۲۶۳۹۔

الالبانی فقہ السیرۃ للغزالی

جب ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو فرمائش کرنے کا موقع دیا گیا اور پھر دوبارہ موقع دیا گیا تو انہوں نے صرف جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا سوال کیا:

سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رات گزارتا تھا۔ آپ کے وضو کا پانی اور آپ کی (دیگر) ضروریات (مساواک وغیرہ) لاتا تھا۔ (ایک رات خوش ہو کر) آپ نے مجھے فرمایا: ”(کچھ دین و دنیا کی بھلائی) مانگ۔“ میں نے عرض کیا: بہشت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں آپ نے فرمایا: ”اس کے علاوہ کوئی اور چیز؟“ میں نے کہا بس یہی! پھر آپ نے فرمایا: ”پس (اپنے مقصد کے حصول کے لیے) سجدوں کی کثرت سے میری مدد کر۔“ ❶

جب رسول اللہ ﷺ اشارتاً اپنی رحلت کے قریب آنے کا تذکرہ فرماتے ہیں تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو کچھ اس کے پاس ہے دونوں میں سے ایک چیز منتخب کرنے کا موقع عطا فرمایا اس بندے نے وہ چیز پسند کی جو اللہ کے پاس ہے۔ سیدنا ابو بکر نے یہ سن کر رونا شروع کر دیا۔ ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بندے کے متعلق بتایا کہ اسے اختیار دیا گیا (انہوں نے اس پر رونا کیوں شروع کیا) پھر ہم پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ اختیار خود رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا اور ابو بکر صدیق (بات کی تہ میں پہنچنے میں) ہم سب سے زیادہ آپ ﷺ کی بات کو سمجھنے والے تھے۔“ ❷

جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو سیدنا ابو بکر صدیق آئے آپ کی چہرے سے کپڑے کو ہٹایا آپ کا بوسہ لیا اور رونے لگ گئے۔ ❸

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی اکرم ﷺ نے یمن بھیجا تو آپ انہیں وصیت کرنے باہر تک آئے معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کی سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ جب فارغ ہو گئے تو کہنے لگے: معاذ ممکن ہے تم مجھ سے اس سال کے بعد ملاقات نہ کر سکو، اور ممکن ہے تم میری (اس) مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی جدائی میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: معاذ رومت، یقیناً رونا شیطان کی طرف سے ہے۔^①

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی رحمت ﷺ کی تعظیم جس طرح کرتے تھے، عروہ بن مسعود ثقفی قریش مکہ کے سامنے یوں بیان کرتا ہے ”اے میری قوم! اللہ کی قسم میں قیصر و قصری اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں۔ واللہ میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد کے ساتھی محمد کی تعظیم کرتے ہیں۔ واللہ وہ کھکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔ اور جب وہ حکم دیتے تھے تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے۔ اور جب وہ وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے۔ اور جب وہ کوئی بات کرتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور فرط تعظیم کی بنا پر انہیں بھرپور نظر سے دیکھتے نہ تھے۔“^②

رسول اللہ ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ، ان کا آزاد کردہ غلام اور ان کا رہبر مکہ سے مدینہ کی طرف جاتے ہوئے ام معبد نامی ایک بوڑھی عورت کے دو خیموں سے گزرے، وہ اپنے خیمہ کے قریب بیٹھ کر مسافروں کی مہمان نوازی کرتی تھیں، ان لوگوں نے اس سے گوشت اور خرما طلب کیا تا کہ اس سے خریدیں، لیکن اسکے پاس کوئی چیز نہ ملی، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری ہے، اس وقت ان لوگوں کا توشہ ختم ہو چکا تھا اور بھوک لگی

① سلسلہ الصحیحہ للالبانی: ۲۴۹۷۔

② بخاری ج۔ ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔

ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟

ام معبد:..... کمزوری کی وجہ سے ریوڑ سے پیچھے رہ گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ:..... کیا اس میں کچھ دودھ ہے؟

ام معبد:..... یہ اس سے کہیں زیادہ کمزور ہے۔

رسول اللہ ﷺ:..... اس کا دودھ نکالنے کی مجھے اجازت ہے؟

ام معبد:..... میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپ اس میں دودھ دیکھتے ہیں

تو دودھ لیں، رسول اللہ ﷺ نے بکری کو بلایا، اس کے تھن پر اپنا ہاتھ پھیرا، بسم اللہ کہا، ام

معبد کے لیے بکری کے حق میں دعا کی، بکری نے اپنے پاؤں پھیلا دیئے، تھن میں بھرپور

دودھ اتر آیا، رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑا برتن منگوایا اور برتن بھر کر دودھ نکالا، پھر ام معبد کو

پلایا، وہ پی کر شکم سیر ہو گئیں تو اپنے ساتھیوں کو پلایا وہ بھی سیراب ہو گئے، پھر سب سے اخیر

میں آپ ﷺ نے پیا، پھر اس برتن میں دوبارہ اتنا دودھ دوہا کہ برتن بھر گیا، پھر اسے ام

معبد کے پاس چھوڑ دیا اور اس سے بیعت لی اور وہاں سے کوچ کر گئے تھوڑی دیر ہی گزری

تھی کہ ان کا شوہر ابو معبد آیا۔ اس نے جب دودھ دیکھا تو حیرت میں پڑ گئے، پوچھا ام معبد!

یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا جب کہ بکریاں دور دراز تھیں اور گھر میں دودھ دینے والی بکری

بھی نہ تھی؟ ام معبد بولیں: اللہ کی قسم کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ ہمارے پاس ایک

بابرکت آدمی گزرا جس کا یہ اور یہ حال تھا۔

ابو معبد نے کہا مجھے اس کے اوصاف بیان کرو؟

ام معبد کی زبانی رسول اللہ ﷺ کے اوصاف و کمالات:

میں نے ایک چمکتا رنگ تابناک چہرے والا آدمی دیکھا، جن کو نہ دبلے پن کا عیب ہے

نہ گنچے پن کی خامی، جو حسین اور خوبصورت چہرے والے ہیں، جنگی آنکھیں سرگیں، اس کے

کنارے میں لمبی پلکیں، آواز بھاری، گردن لمبی اور داڑھی گھنی ہے، جنگی ابروئیں کمان کی طرح

باہم ملی ہوئی ہیں، جو خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پرکشش، لوگوں میں سب سے

خوبصورت، دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک اور قریب سے سب سے خوبصورت و پر جمال، شیریں زبان، بات واضح اور دو ٹوک نہ مختصر نہ فضول، گفتگو کا انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں درمیانہ قد نہ لمبائی زیادہ نہ نٹا کہ نگاہ میں نہ بچے، دو شاخوں کی درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو تینوں سے زیادہ تازہ و خوش منظر ہے اور عزت کے اعتبار سے سب سے اچھے، رفقاء آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں آپ اگر کچھ فرمائیں تو خاموشی کے ساتھ آپ کی بات کو سنتے ہیں اور کوئی حکم دیں تو لپک کر بجا لاتے ہیں، مطاع و مکرم، نہ ترش رو نہ لغو گو۔

ابو معبد نے کہا: اللہ کی قسم یہ تو وہی صاحب قریش ہیں جن کی بارے میں لوگوں نے قسم قسم کی باتیں مکہ میں بیان کر رکھی ہیں، میرا ارادہ ہے کہ آپ کی رفاقت اختیار کروا کر ممکن ہوا تو ایسا ضرور کروں گا، ادھر مکہ میں ایک آواز ابھری جسے لوگ سن رہے تھے مگر اس کا بولنے والا کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا، آواز یہ تھی:

جزی اللہ رب الناس خیر جزاءہ

رفیقین قالا خیمتی ام معبد

ہما نزلابا بالہدی، و اہتدت بہ

فقد فاز من أُمسی رفیق محمد

”اللہ رب الناس ان دونوں رفیقوں کو بہترین جزا دے، جو ام معبد کے خیمے میں

نازل ہوئے۔“

”وہ دونوں ہدایت سے اترے اور ہدایت کے ساتھ روانہ ہوئے، جو محمد کا رفیق

ہوا وہ کامیاب رہا۔“^①

① امام حاکم نے روایت کیا اور امام ذہبی نے صحیح کہا ہے، امام کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام معبد کا قصہ بہت مشہور ہے جو مختلف طرق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے چند اوصاف:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پانچ نام ہیں، میں محمد ہوں، احمد ہوں اور ماحی ہوں یعنی میری وجہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں یعنی لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“^①

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب خوشی ہوتی تو آپ کا چہرہ ایسا چمکتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور ہم آپ کی خوشی اس سے پہچان لیتے۔^② جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار چاندنی رات میں آپ کو دیکھا تو میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور چاند کو دیکھتا، آپ پر سرخ جوڑا تھا، آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ آپ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔^③

آپ کے عالی نسب اور اوصاف حمیدہ کی بنا پر مشرکین مکہ بھی آپ کی عزت کرتے تھے۔ آپ ﷺ نہایت عالی نسب تھے آپ خود فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو چنا، کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا، قریش میں سے بنی ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا۔“^④

رسول اللہ ﷺ بچپن ہی سے اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ گھبرا گئے آپ کا دل دھڑک رہا تھا، آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کہا ”مجھے کبل اڑھا دو مجھے کبل اڑھا دو۔ جب آپ کا خوف جاتا رہا تو آپ نے خدیجہ کو سارا قصہ سنایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہرگز نہیں آپ کو خوشخبری ہو، اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا آپ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، معاشرے پر جو لوگ بار سمجھے جاتے ہیں آپ ان کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ نادار کے لیے

① بخاری ۳۵۳۲۔ مسلم ۲۳۵۴۔ ② بخاری ۴۶۷۷۔ مسلم ۲۷۶۹۔

③ ترمذی فی الشمائل ص: ۲۔ حاکم اور ذہبی نے تصحیح کی ہے۔

④ مسلم: ۲۲۷۶۔

کھاتے ہیں، مہمان کی خاطر تواضع کرتے ہیں، حق کے کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں اور بدعہدی نہیں کرتے۔“ ❶

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں انجیل میں لکھا ہوا تھا کہ وہ نہ بد زبان، نہ سخت، نہ بازاروں میں شور کرنے والے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے بلکہ وہ معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔“ ❷

دشمن بھی تسلیم کرتے تھے کہ آپ سچ بولنے والے ہیں۔ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ:

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴)

”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔“

تو آپ کوہ صفا پر چڑھ گئے اور قریش کے تمام خاندانوں کو آواز دے کر بلایا، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا، بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے یا اگر یہ خبر دوں کہ ایک دشمن صبح یا شام چھاپہ مارنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے لوگوں نے کہا ہاں ہم نے سوائے سچ کے تمہیں کچھ کہتے ہوئے نہیں پایا، کبھی جھوٹ کا تم سے ہمیں تجربہ نہیں ہوا۔ ❸

جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کے حالات پوچھے تو ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا اس کی قیادت میں مشرکین مکہ کئی دفعہ مدینہ پر حملہ آور ہو چکے تھے لیکن دشمن ہونے کے باوجود اس نے آپ کے اعلیٰ اوصاف تسلیم کیے ہرقل نے پوچھا کہ نبوت کے اس دعویدار کا نسب کیسا ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا وہ ہم میں اعلیٰ نسب والا ہے اس نے پوچھا کیا نبوت کے دعویٰ سے پہلے تم نے ان پر جھوٹ بولنے کی تہمت لگائی ہے؟ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا وعدہ خلائی کرتے ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا وہ کہتے ہیں کہ اللہ اکیلے کی عبادت

کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، جو شرکیہ افعال تمہارے باپ دادا کرتے تھے ان کو چھوڑ دو، وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاکدامنی، خیرات، وفائے عہد، امانت کے ادا کرنے اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتے ہیں۔“ ❶

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب عمارت حجر اسود تک بلند ہو چکی تو یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف و امتیاز کسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا چار پانچ روز تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ معلوم ہوتا تھا سرزمین حرم میں سخت خون خرابہ ہو جائے گا۔ لیکن ابو امیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے دوسرے دن جو سب سے پہلے داخل ہو، اسے اپنے جھگڑے کا حکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ ہذا الامین رضینا ہذا محمد ﷺ..... ”یہ امین ہیں۔ ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ﷺ ہیں۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک چادر طلب کی بیچ میں حجر اسود رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب حضرات چادر کا کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھائیں انہوں نے ایسا ہی کیا جب چادر حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی مقرر جگہ پر رکھ دیا۔ یہ بڑا معقول فیصلہ تھا۔ ساری قوم اس فیصلہ سے راضی ہو گئی۔“ ❷

رحمۃ للعالمین کو پہنچنے والی تکالیف کا اجمالی ذکر:

اتنے بہترین اخلاق اور اعلیٰ اوصاف والے رسول کو مشرکین مکہ کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط آیا اور اپنی چادر رسول اللہ ﷺ کے گلے میں ڈال کر بہت زور سے آپ کا گلا گھونٹنے لگا۔ اتنے میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ

❶ بخاری: ۷۔ مسلم۔ ۱۷۷۳۔

❷ ابن ہشام ۱/۹۲، ۱۹۷۵ بحوالہ رجب المختوم۔

آئے انہوں نے عقبہ کو ہٹایا اور کہا ”کیا تم ایک آدمی کو صرف اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب صرف اللہ ہے اور حالانکہ وہ تمہارے پاس اپنے رب کی ہاں سے واضح دلائل بھی لے کر آیا ہے۔“ ①

ایک دن رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سایہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل اور قریش کے کچھ لوگ وہاں موجود تھے۔ ابو جہل نے کہا کہ اس ریا کار کو دیکھو (نعوذ باللہ)۔ اس دن مکہ معظمہ میں ایک اونٹ خر کیا گیا تھا۔ ابو جہل نے کہا کہ کون ہے جو آل فلاں کے اونٹ کی طرف جائے اور وہاں سے اس کا گوبر، خون اور اوجھڑی لے آئے۔ پھر ٹھہر جائے یہاں تک کہ جب یہ سجدہ کرے تو اس کے کندھوں پر ان چیزوں کو ڈال دے۔ پس انہوں نے کچھ لوگوں کو اس طرف روانہ کیا۔ وہ گئے اور اوجھڑی اٹھالائے۔ ان میں سے عوسب سے زیادہ بد بخت تھا یعنی عقبہ بن ابی معیط وہ کھڑا ہوا اور جب رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اس نے وہ اوجھڑی آپ کے کندھوں پر رکھ دی۔ رسول اللہ ﷺ بڑی دیر تک سجدہ میں پڑے رہے کفار مکہ ہنستے ہنستے ایک دوسرے پر جھک جاتے تھے۔ ایک شخص نے جا کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی۔ وہ ابھی لڑکی ہی تھیں، دوڑتی ہوئی آئیں۔ آپ ﷺ ابھی تک سجدہ ہی میں تھے۔ انہوں نے اوجھڑی آپ پر سے ہٹائی اور کافروں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز ختم کی تو آپ ﷺ نے دعا کی کہ اللہ قریش کو پکڑ لے۔“ ②

جب رسول اللہ ﷺ نے تکلیفوں کے باوجود شدت کے ساتھ تبلیغ کو جاری رکھا تو کفار مکہ نے خیف بنی کنانہ میں کفر پر جے رہنے کی قسمیں کھائیں اور رسول اللہ ﷺ، بنو ہاشم اور بنو مطلب سے مقاطعہ کا فیصلہ کیا۔ اس مقاطعہ میں قریش اور کنانہ دونوں شریک تھے۔ کفار نے طے کیا کہ نہ ان لوگوں سے نکاح کیا جائے اور نہ ان سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا جائے جب تک یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالہ نہ کر دیں۔ ③

② بخاری: ۲۴۰۰ - مسلم: ۱۷۹۴.

① بخاری: ۳۶۷۸.

③ بخاری: ۱۵۹۰.

اس بایکٹ کے نتیجے میں آپ تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے اور وہاں پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔ فاقہ کشی کا حال یہ تھا کہ بھوک سے ہلکتے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھائی سے باہر سنائی دیتیں۔

رسول اللہ ﷺ تبلیغ کے لیے طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ طائف پہنچ کر رسول اللہ ﷺ ابن عبد یلیل کے پاس پہنچے لیکن اس نے دعوتِ اسلام قبول نہیں کی۔ اہل طائف نے آپ کو سخت تکلیف پہنچائی۔ وہ ایسی تکلیف تھی کہ پوری زندگی میں اس سے زیادہ تکلیف آپ کو نہیں پہنچی۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے نہایت رنجیدہ واپس ہوئے۔^①

جنگِ احد میں رسول اللہ ﷺ شدید زخمی ہوئے۔ آپ کے آگے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ شدتِ ضرب سے سر مبارک پر خود ٹوٹ گیا اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ چہرہ انور سے خون پوچھتے جاتے تھے اور (فسوس کے ساتھ) یہ فرماتے جاتے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنی نبی کو زخمی کر دیا۔ اس کا اگلا دانت توڑ دیا حالانکہ وہ اس کو اللہ کی طرف بلا رہا تھا۔^②

ظلم و ستم کی وجہ..... دعوتِ توحید:

نبی اکرم ﷺ کی ان اعلیٰ صفات کے باوجود مشرکین مکہ نے آپ پر ظلم و ستم کی انتہا کیوں کی؟ قوم کے سب سے محبوب شخصیت کے ساتھ قوم نے یہ سلوک کیوں کیا۔ آپ کی کون سی بات انہیں سب سے بری لگتی تھی؟ آپ نے یہ سب تکلیفیں کیوں برداشت کیں؟ اس کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ آپ نے معاشرہ میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان کیا۔ قریش مکہ جانتے تھے کہ لا الہ کا مطلب غیر اللہ کی الوہیت کا انکار کرنا ہے۔ جن معبودوں کی عظمت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔ جن سے امیدیں وابستہ رکھتے اور جن کے ناراض ہونے کا خوف رہتا ہے تو دلوں سے ان کی عظمت، محبت اور ڈر نکالنا ہوگا۔ جن کو خوش کرنے کے لیے بذر اور غلہ کے نذرانے دیئے جاتے ہیں اس کو بھی چھوڑنا ہوگا۔ پھر حلال و حرام مقرر کرنے کے ضابطے بنانے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ماننا ہوگا اور

سلسلہ نبوت و رسالت جو اللہ نے قائم کیا پرایمان لانا ہوگا اور ایمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ ماننا ہوگا کہ محمد ﷺ رسالت کی تکمیل کرنے والے آخری رسول ہیں۔ اب زندگی کی رہنمائی صرف اور صرف آپ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مشرکین کہہ رسول اللہ ﷺ کے غم خوار بیچا ابو طالب کے پاس جمع ہوئے اور کہا ”اے ابو طالب تم جانتے ہو، تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو گالیاں دی ہیں۔ ہمارے دین کے عیب بیان کیے ہیں۔ ہمیں بے وقوف بتایا۔ ہمارے بزرگوں کو گمراہ کہا۔ ہمارے لیے یہ باتیں ناقابل برداشت ہیں۔ اس کو اس زبان درازی سے روکو۔“

مشرکین مکہ کو توحید، رسالت اور آخرت کی اس دعوت میں اپنی موت نظر آئی۔ انہوں نے اس دعوت کو ختم کرنا چاہا۔ گالیوں، طعنوں، افترا پردازیوں اور جھوٹے پروپیگنڈے سے یہ قافلہ نہ رکا۔ ظلم و تشدد اور مخالفتوں کا طوفان اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے، معاشی اور سوشل بائیکاٹ کے ساتھ ساتھ قومی مفاد اور اتحاد ملی کے خطرے میں پڑنے کا واسطہ دیا گیا پھر سرداری اور دولت کا لالچ بھی دیا گیا مگر دعوت حق کا یہ قافلہ چلتا رہا۔ شرک کی تردید پر آیات نازل ہوتی رہیں۔ توحید کا سبق لوگوں کو ازبر کروایا جاتا رہا۔

اس طرح عقیدہ کی بنیاد پر صحابہ کرام رضوان اللہ کی تربیت ہوتی رہی۔ یہ وہی دعوت تھی جو ہر نبی علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی۔ یہی دعوت ہر دور میں اسلام کا عنوان رہی ہے۔ مالکم من اللہ غیرہ۔ یعنی عبادت کی ہر قسم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دی جائے اور کسی اور کو اس میں ذرہ برابر بھی شریک نہ کیا جائے۔ شرک کا بنیادی سبب صالحین اور اولیاء کی شان میں غلو کرنا تھا۔ ان کی قبروں اور آثار سے محبت کو ہمیشہ شیطان نے شرک کی بنیاد بنایا اور اکثر امتیں اسی وجہ سے شرک کی دلدل میں پھنس گئیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے قبروں کے فتنے سے اپنی امت کو خبردار فرمایا۔ صالحین کی قبروں پر قبوں اور عمارتوں کی تعمیر سے معاشرے میں شرک عام ہوتا ہے اور بدعات جڑ پکڑتی ہیں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قبروں کے

بارے میں خصوصی احکامات دیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

قبروں کے بارے میں شرعی احکامات:

① رسول اللہ ﷺ نے قبرستان میں کسی بھی جگہ نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔ خواہ پڑھنے والا قبروں سے برکت کے حصول کا عقیدہ نہ بھی رکھے جبکہ اکثریت کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی مشکلات کے حل کے لیے پکارتے تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہیں، اور نماز بھی اسی کی پڑھتے ہیں لیکن بزرگ کے مزار کے قرب کی وجہ سے وہ مزاروں میں قائم مسجدوں میں نماز پڑھنا دوسری مساجد سے زیادہ افضل جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہود نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔“^①

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے حبشہ کے معبد کا ذکر کیا جسے ماریہ کہا جاتا تھا اس میں تصویریں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”یہ ایسے لوگ ہیں جب ان میں کوئی نیک بندہ مرجاتا تو اس کی قبر پر سجدہ گاہ اور

تصویریں بنا دیتے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔“^②

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ دن قبل یہ فرمایا:

”خبردار تم سے پہلی امتوں نے انبیاء کی قبروں پر مساجد بنائیں۔ خبردار تم قبروں

پر مساجد نہ بنانا۔ میں تمہیں اس عمل سے سختی سے روکتا ہوں۔“^③

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بے شک وہ لوگ انتہائی بدترین ہیں جو قیامت کے قائم ہونے کے وقت زندہ

رہیں گے اور جو لوگ قبروں پر مساجد بنا لیتے ہیں۔“^④

② آپ نے قبروں پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا:

② بخاری: ۴۲۷۔ مسلم: ۵۲۸۔

① بخاری: ۴۳۶۔ مسلم: ۵۲۹۔

④ صحیح ابن خزیمہ: ۸۷۹۔

③ مسلم: ۵۳۲۔

”سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر بیٹھنے اور

قبروں پر قبہ یا عمارت بنانے سے منع فرمایا۔“ ①

آپ ﷺ نے قبروں پر لکھنے سے منع فرمایا۔ ②

③ چونکہ عورتوں میں صبر کا مادہ کم ہوتا ہے۔ وہ نوحہ کرتی ہیں اور قبروں کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا

ہوتی ہیں۔ پھر عورتیں شرک کرنے میں بھی تیز ہوتی ہیں اس لیے آپ ﷺ نے

عورتوں کے کثرت سے قبرستان جانے سے منع فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کثرت سے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت

فرمائی۔ ④

⑤ قبرستان کے اندر کسی بھی قسم کی عبادت کرنے سے منع فرمایا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنی نمازوں کا کچھ حصہ اپنے گھروں میں ادا کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔“ ⑥

آپ ﷺ نے فرمایا:

”تم گھروں کو قبرستان نہ بناؤ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورہ

بقرہ کی تلاوت کی جائے۔“ ⑦

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گھروں کو نماز، دعا اور قرآن مجید کی تلاوت سے خالی نہیں

رکھنا چاہیے ورنہ وہ قبرستان کی طرح ہو جائیں گے گویا آپ نے گھروں کے اندر عبادت

کرنے اور قبرستان میں عبادت نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

⑧ قبروں پر میلے اور عرس لگانا حرام ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

② ابو داؤد: ۳۲۲۶.

① مسلم: ۹۷۰.

④ بخاری: ۴۳۲۔ مسلم: ۷۷۷.

③ ابن ماجہ: ۱۰۵۷۴۔ ترمذی: ۱۰۵۶.

⑤ مسلم: ۷۸۰.

”اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ، مجھ پر درود پڑھو بے شرب تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم ہو۔“

”میری قبر کو عید نہ بناؤ۔“ میں عید سے مراد وہ اجتماع ہے جو طے شدہ پروگرام کے مطابق بار بار منعقد ہوتا ہو خواہ وہ ہر سال ہو یا ہر مہینہ۔ آپ ﷺ نے جب درود و سلام کی غرض سے اپنی قبر پر میلہ لگانے سے منع فرمایا ہے تو پھر قبر والوں کی پوجا کرنے کے لیے کسی غیر نبی کی قبر پر کیسے میلہ لگایا جاسکتا ہے؟

حب رسول کے اظہار میں غلو:

رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے احکام کی تعمیل اور آپ کی منع کردہ باتوں سے اجتناب کیا جائے، آپ کی یہ شان ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

(النجم: ۴، ۳/۵۳)

”اور یہ خواہش نفس کی بنا پر منہ سے کوئی بات نہیں نکالتے یہ تو اللہ کا حکم ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔“

ان لیے آپ کی محبت اور اتباع شرط ایمان ہے فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾

(آل عمران: ۳۱/۳)

”کہہ دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا۔“

عنی خوشی میں، تنگی و آسانی میں، جان و مال میں، اولاد و گھربار میں، غرضیکہ دنیا و مافیہا میں نبی رحمت ﷺ کی پیروی کو مقدم رکھنا اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک ہر شے سے زیادہ محبت اللہ کے رسول ﷺ سے نہ ہو۔

بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے اظہار میں اور آپ کے اوصاف بیان کرنے میں بے اعتدالی کا شکار ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے لیے ایسی صفات تک کا ذکر کر جاتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ قرآن کریم میں اس چیز کو ”غلو“ کہا گیا ہے۔ انسانوں کا کفر و شرک میں مبتلا ہونے کی ایک بڑی وجہ انبیاء اور اولیاء کے معاملہ میں غلو کرنا ہے۔ عیسائی بہت زیادہ غالی تھے انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا اور انہیں اللہ کا بیٹا کہہ کر الوہیت کے مرتبہ پر فائز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ (المائدہ: ۷۷/۵)

”کہہ دیجئے اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔“

﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي﴾ (طہ: ۸۱)

”اور حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا۔“

یہی حکم مسلمانوں کو دیا گیا کہ وہ حد سے آگے نہ بڑھیں:

﴿فَاسْتَقِمُّوا كَمَا أُمِرْتُمْ وَمَنْ تَابَ مَعَكُمْ وَلَا تَطْغَوْا﴾ (ہود: ۱۱۲)

”پس آپ جیسے رہئے جیسا کہ آپ کو اور ان کو جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں

حکم دیا گیا ہے۔ اور حد سے آگے نہ بڑھنا۔“

مگر افسوس غلو کی وجہ سے آج لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے شرک اکبر میں ملوث ہو گئے۔ ان کے شرک کی وجہ بھی صالحین کی شان میں حد سے بڑھنا تھا۔ نیک لوگوں کی اس طرح تعظیم کی کہ ان کی محبت میں ان کی قبروں کو پختہ بنایا گیا۔ ان پر تہے اور عمارتیں تعمیر ہوئیں اور گمان کیا گیا کہ ان مزاروں پر دعائیں مانگنا مساجد سے بھی بڑھ کر قبولیت کا باعث ہیں۔ پھر شیطان نے انہیں پکارنے کی طرف مائل کر دیا۔ قبروں پر قندیلیں روشن ہوئیں۔ ان قبروں پر پھولوں کی چادریں لٹکائی گئیں۔ ان کے گرد چکر یعنی (طواف) ہونے لگا۔ ان کے نام کی دیکھیں کپنہ لگیں۔ پھر میلے اور عرس کا انعقاد ہونے لگا۔ پھر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جو شرک سے باز رہنے کی تلقین کر کے توحید کی دعوت دیتا ہوا انہیں ان بزرگوں کا گستاخ کہا گیا۔

اہل توحید سے لوگوں کو متفر کیا گیا حتیٰ کہ اہل توحید کو رسول اللہ ﷺ کا گستاخ مشہور کیا گیا۔ یہ سراسر ظلم ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کے مقصد بعثت کو پہچان کر اس کے مطابق عمل کرنے والوں کو گستاخ رسول کہا جائے اور محبت کے دعوے کو ڈھال بنا کر شرک کو عین اسلام ثابت کیا جائے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر توحید کی طرف بلایا جائے۔ غیر اللہ کی بندگی سے لوگوں کو ہٹا کر اللہ کی بندگی پر لگایا جائے۔ مگر یہ لوگ کفر و شرک کو توحید جانتے ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح نصرائیوں نے ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ آرائی کی۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں تم کہو اللہ کا بندہ اور اس کا

رسول۔“ ①

ربیع بنت معوذ بنی النہما سے روایت ہے انہوں نے کہا ”میری شادی کی صبح رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ دو ننھی بچیاں جنگ بدر میں شہید ہونے والے میرے رشتہ داروں کے بارے میں اشعار پڑھ رہی تھیں۔ بچیوں نے کہا:

((وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ .))

”اور ہم میں ایک ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات جانتا ہے۔“

آپ نے فرمایا:

((اَمَّا هَذَا فَلَا قَوْلُوهُ مَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ اِلَّا اللَّهُ .))

”ایسے مت کہو جو کچھ کل ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“ ②

لہذا آپ کی سچی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ توحید سے محبت کی جائے اور اس طرح کی جائے جس طرح اس مثالی انسان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے کی جسے اللہ نے رسالت کے لیے چنا۔

① بخاری: ۳۴۴۵.

② بخاری: ۴۰۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۷.

غلو کرنے والوں کے شبہات کا ازالہ

آج بہت سے عشق رسول کے دعویداروں نے ایسی تحریریں سپردِ قلم کر رکھی ہیں جن میں بظاہر عشق رسول کے جذبات ابھار کر محمد کریم ﷺ کی سب سے محبوب شے توحید کی شدید مخالفت اور رسول اللہ ﷺ کی انتہائی ناپسندیدہ شے شرک کی وکالت کرتے ہوئے اسی کو اصل دین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان باطل عقائد کی وکالت کرنے والے مصنفین نے جو کچھ اپنے حق میں بیان کیا ہے علمائے اہل سنت کی کتب میں کثرت سے اس کا رد موجود ہے جو لوگ انبیاء، ملائکہ، جنات اور اولیاء الغرض اللہ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی مافوق الاسباب طریقہ سے پکارتے ہیں ان کے بیان کو ”غلط فہمی“ کے عنوان سے اور اس کا جواب ”ازالہ“ کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیے۔

غلط فہمی:

محبت رسول کے دعویداروں کے اقوال:

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں:

(۱)..... ”اولیاء سے مدد مانگنا اور انہیں پکارنا ان کے ساتھ تو سل کرنا امر مشروع (یعنی شرعاً جائز) و شئی مرغوب (پسندیدہ چیز) ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا دشمن انصاف۔“^①

(۲)..... جب تمہیں پریشانی کا سامنا ہو تو اہل قبور سے مدد مانگو۔^②

(۳)..... انبیاء و مرسلین، اولیاء، علماء صالحین سے ان کے وصل (فوت ہونے) کے بعد بھی استعانت (تعاون طلب کرنا) و استمداد (مدد طلب کرنا) جائز ہے۔ اولیاء بعد انتقال بھی دنیا میں تصرف (حالات کو پھیرتے) کرتے ہیں۔^③

① فتاویٰ رضویہ از احمد رضا بریلوی : ۳۰۰۔ ② الامن و العلیٰ از احمد رضا بریلوی ص ۴۶۔

③ الامن و العلیٰ از احمد رضا : ۱۰۔

(۴)..... ”میں نے جب بھی مدد طلب کی یا غوث ہی کہا۔ ایک مرتبہ میں نے ایک دوسرے ولی (محبوب الہی) سے مدد مانگی چاہی مگر میری زبان سے ان کا نام ہی نہ نکلا بلکہ زبان سے یا غوث ہی نکلا۔“^①

(۵)..... ”جو شخص کسی نبی یا رسول یا کسی ولی سے وابستہ ہوگا تو اس کے پکارنے پر وہ حاضر ہوگا اور مشکلات میں اس کی دستگیری کرے گا۔“^②

(۶)..... ”ہر چیز، ہر نعمت، ہر مراد، ہر دولت دین میں، دنیا میں، آخرت میں، روزِ اوّل سے آج تک، آج سے ابد آباد تک جسے ملی یا ملتی ہے حضور اقدس سید عالم ﷺ کے دست اقدس سے ملی اور ملتی ہے۔“^③

(۷)..... مفتی احمد یار خان سرپرست مدرسہ غوثیہ گجرات لکھتے ہیں:

”انبیاء وہ حضرات ہیں جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح میں تصرف (ان کی حالت بدلنے کا اختیار) کر سکتے ہیں۔ اور ان کو اس قدر قدرت و قوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف (ظاہری حالت بدلنے کا اختیار) کر سکتے ہیں۔“^④

(۸)..... سید احمد سعید کاظمی صاحب لکھتے ہیں:

”جب بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت سمع، بصر اور قدرت کے انوار بندہ کے سمع، بصر اور قدرت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سن لیتا ہے جب یہی نور اس کی بصر ہو گیا تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو گیا تو یہ بندہ مشکل اور آسان دور اور قریب کی چیزوں میں تصرف کرنے میں قادر ہو جاتا ہے..... جب مشکل بندہ کی

① ملفوظات احمد رضا بریلوی ص ۳۰۷. ② فتاویٰ افریقہ از احمد رضا بریلوی ۱۳۵.

③ فتاویٰ الرضویہ از احمد رضا بریلوی ۵۷۷. ④ جاء الحق ۱۹۶، ۱۹۷.

قدرت میں ہو تو وہ مشکل کشا نہیں تو اور کیا ہے؟ ①

ازالہ

پکارنا عبادت ہے:

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) ② ”بے شک دعا ہی عبادت ہے۔“

جب پکارنا عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کی کی جانی چاہیے۔ تو پھر کسی غیر کو پکارنا اس کی عبادت کرنا یعنی اسے معبود بنانا ہے جو شرک ہے اور ناقابل معافی جرم ہے۔ یہاں پکارنے سے مراد اللہ سے دعا کرنا ہے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی عبادت افضل ہے فرمایا انسان کا اپنے لیے دعا کرنا افضل عبادت ہے۔ (ادب المفرد للبخاری) افضل عبادت میں کسی کو شریک کرنا کیسے جائز ہے؟ غیر اللہ کو پکارنا کفر ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۱۷/۲۳)

”اور جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارتا ہے۔ اس کے پاس اس کی کوئی دلیل

نہیں۔ اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے تحقیق کافر فلاح نہیں پاتے۔“

غیر اللہ کو پکارنے والے خود مرتے وقت اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ تَهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا آمِنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ

مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ﴾

(الأعراف: ۳۷/۷)

”یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے جان لینے کو آئیں گے تو وہ کہیں گے وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے تھے۔ وہ کہیں گے آج ہم سے گم ہو گئے اور اقرار کریں گے کہ بے شک وہ کافر تھے۔“

غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا عذاب کا باعث ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ﴾

(الشعراء: ۲۶/۲۱۳)

”اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو ورنہ تم عذاب دیے جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔“

﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَوِيْنَ ۝ وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ۝ فَكَبِكَبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوْنَ﴾ (الشعراء: ۹۴-۹۱)

”اور جہنم گمراہوں کے سامنے کر دی جائے گی اور کہا جائے گا۔ وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے۔ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں پس وہ معبود اور گمراہ دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔“

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مشرکین اگرچہ اللہ کے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو پکارتے ہیں مگر وہ چونکہ شرک و مشرکین کے دشمن تھے اس لیے وہ ان کے معبود نہیں۔ ان کا معبود شیطان ہے جیسا کہ المائدہ: ۵/۱۱۶، ۱۱۷ اور النساء: ۴/۱۱۷ میں ہے۔ پس شیطان ہی ان مشرکوں کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں یہ نظریات صریحاً شرک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے شرک کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

ابو جہل کے بیٹے عکرمہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنے کے واقعہ میں اس بات کا واضح ثبوت

ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کو یہ دعوت دی کہ خشکی اور طوفان میں اللہ کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے اس لیے اپنی مشکلات کے حل کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو۔ ملاحظہ فرمائیں:

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ بن ابی جہل وہاں سے فرار ہو گئے۔ باہر کسی جگہ جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے۔ سمندر میں یہ کشتی طوفانی ہواؤں کی زد میں آ گئی۔ ملالاح نے کشتی میں سوار مسافروں سے کہا کہ آج اللہ اکیلے سے دعا کرو، تمہیں اس کے سوا کوئی اس طوفان سے نجات دینے والا نہیں۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف اللہ ہے تو یقیناً خشکی میں نجات دینے والا بھی وہی ہے اور محمد یہی بات کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر میں یہاں سے زندہ بچ نکلا تو مکہ واپس جا کر اسلام قبول کر لوں گا۔ چنانچہ یہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ❶

وہ دین جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا اس میں یہ نظریات نہیں ہیں اور نہ خیر القرون میں سے کسی سے یہ نظریات ثابت ہیں بلکہ ائمہ اہل سنت نے شرک کو نواقض اسلام (اسلام سے خارج کر دینے والا عمل) میں شمار کیا ہے راستہ وہی حق ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ اور صحابہ کرام نے سیکھا اور اس پر عمل کیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

(الحشر: ۵۹/۷)

”جو چیز تم کو رسول دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔“

یہ بھی فرمایا:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النسا: ۸۰/۴)

”جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“
 ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِينَ نُؤَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾
 (النساء: ۴/۱۱۵)

”اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔“
 جو قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے سنت رسول اور سبیل المومنین سے ہٹ جائے اس کا نظریہ یقیناً گمراہی پر مبنی ہے۔
غلط فہمی:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
 ﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ أَمْوَاتٌ غَيْرَ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (النحل: ۲۰/۲۱)
 ”اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ خود مخلوق ہیں۔ بے جان لاشیں ہیں، ان کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔“

اس آیت میں يدعون کا ترجمہ پکارنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ يدعون کا ترجمہ پکارنا نہیں بلکہ عبادت کرنا ہے۔^①

ازالہ:

يَدْعُونَ کا ترجمہ پکارنا ہی ہے احمد رضا بریلوی ”المومن“ کی آیت نمبر ۶۰ کے ترجمہ میں يَدْعُونَ کا ترجمہ پکارنا ہی کرتے ہیں۔ خود صاحب کتاب ”علمی محاسبہ“ نے

① ڈاکٹر مسعود عثمانی کی خرافات کا عملی محاسبہ ۲۷۔

تفسیر کبیر کے حوالے سے صفحہ ۲ پر یذْعُون کا ترجمہ ”حاجتیں طلب کرنا“ کیا ہے۔ یہی اس آیت کا اصل مفہوم ہے۔

در اصل کسی سے حاجتیں طلب کرنا ہی اس کی عبادت ہے۔ یہ بات قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے واضح ہے۔

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ

عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرَيْنَ﴾ (المومن: ۶۰/۴۰)

”اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر خود سری کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل کیے جائیں گے۔“

الفاظ کتنے واضح ہیں پہلے اللہ سے دعا کا ذکر ہے اور پھر عبادت الہی سے خود سری کا یعنی اللہ سے دعا اللہ کی عبادت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا:

((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ.))^①

”دعا ہی عبادت ہے۔“

آیت کے ساتھ حدیث مبارکہ نے بھی وضاحت کر دی کہ مافوق الاسباب کسی کو مشکل کشا سمجھ کر پکارنا اس کی عبادت ہے، اس آیت پر بھی غور فرمائیے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ

الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ ۚ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ

أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفَرِينَ﴾ (الأحقاف: ۵۰/۴۶)

”اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک

اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے کی خبر ہی نہ ہو اور جب لوگ

① ترمذی، ح ۳۳۷۲۔ امام ترمذی نے حسن صحیح کہا۔

جمع کیے جائیں گے تو وہ (بزرگ جنہیں پکارا گیا تھا) ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔“

غور فرمائیے کہ بزرگ جس چیز کو عبادت گردانتے ہوئے اپنی عبادت کرنے والوں کے دشمن ہو رہے ہیں وہ غیر اللہ کی پکار ہی تو ہے۔
غلط فہمی:

انبیاء کرام اور اولیاء عظام ”من دون اللہ“ میں داخل نہیں ہیں بلکہ ”من دون اللہ“ میں صرف بت داخل ہیں۔

ازالہ:

مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ یہ بت یونہی گھڑی ہوئی صورتیں نہ تھیں اور نہ ہی کوئی وہی چیز کی تمثیل تھے۔ بلکہ ہمیشہ قوم کے دل میں انتہائی محبت اور عظمت پا جانے والی جانی پہچانی شخصیات کی شکلیں (تمثیل) تھیں۔

نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو قوم نے کہا:
﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ
وَعُوقَ وَتَسْرًا﴾ (نوح: ۲۳/۷۱)
”اور انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو۔“

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ قوم نوح کے نیک مردوں کے نام ہیں جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں خیال ڈالا کہ جن مقامات پر یہ اولیاء اللہ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے بت بنا کر کھڑے کر دو (تاکہ ان کی یاد تازہ رہے۔ وہ ان کو پوجتے نہ تھے)۔ جب یہ یادگار بنانے والے فوت ہو گئے تو بعد والوں نے ان بزرگوں کے بتوں کی عبادت شروع کر دی۔^①

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لات ایک آدمی تھا جو حاجیوں کے لیے ستوں گھولتا تھا۔ ❶

ان حوالوں سے بات واضح ہے کہ یہ بت بھی صالحین ہی کے تھے اور مشرکین بتوں کے رنگ میں صالحین کی بندگی ہی کرتے تھے عجیب بات ہے کہ لوگ جذبات میں آ کر واقعاتی چیزوں کو بھی محسوس کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے بت اور تصاویر بنا کر ان کی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ کیا وہ ہر بت اور تصویر کو پوچھیں گے؟ ہرگز نہیں؛ بلکہ اس کو جس میں ان کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کا بت اور تصویر ہونے کی واضح علامت موجود ہو اور وہ ان کی توجہ ان کے معبود کی طرف مبذول کر رہا ہو۔ اسی لیے اللہ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ فَأَدْعُواهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (الأعراف: ۱۹۴/۷)

”بے شک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں ان کو پکار کر دیکھو اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تم کو جواب بھی دیں۔“
اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ مریم علیہا السلام کو ”من دون اللہ“ میں شامل کیا:

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّكَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ﴾ (المائدة: ۱۱۶/۵)

”اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لو۔ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔“
جب عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام من دون اللہ میں داخل ہیں تو یہ دعویٰ غلط ہوا کہ انبیاء

اور اولیاء ”من دون اللہ“ نہیں اور ”من دون اللہ“ میں صرف بت شامل ہیں۔
 اللہ تعالیٰ نے علماء، درویشوں اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو من دون اللہ میں شامل کیا ہے:
 ﴿اتَّخَذُ وَاٰحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ
 مَرْيَمَ وَمَا مَرْوٰٓاۤلَیْعِبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا
 یُشْرِكُوْنَ﴾ (التوبة: ۳۱/۹)

”انہوں نے اپنے علماء، مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا حالانکہ
 ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس کے سوا کوئی
 معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔“
 جب علماء، درویش اور عیسیٰ علیہ السلام من دون اللہ میں داخل ہیں تو من دون اللہ سے
 صرف بت مراد نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر وہ مخلوق جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی
 جائے۔ خواہ وہ اس فعل قبیح سے مکمل طور پر بری ہوں جیسے انبیاء، ملائکہ اور صالحین عیسیٰ مقدر
 ہستیاں بھی من دون اللہ میں شامل ہیں۔ حالانکہ ان جلیل القدر ہستیوں نے خصوصاً
 انبیاء علیہم السلام نے تو اپنی تمام توانائیاں اس بات کو سمجھانے اور منوانے میں کھپا دیں کہ اللہ ایک
 ہے اور عبادت کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے۔
 غلط فہمی:

یہ حقیقت ہے کہ من دون اللہ اصولی طور پر وہ ہوتے ہیں جو سراسر باطل ہوں کیونکہ
 اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمایا:
 ﴿وَاِنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ﴾ (الحج: ۲۲/۶۲)
 ”اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔“
 کیا انبیاء اور اولیاء اللہ باطل ہو سکتے ہیں؟
 ازالہ:

اس آیت میں بطلان جس بات کا ہو رہا ہے وہ صفت الوہیت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی

الہ نفع و نقصان پہنچانے والا نہیں ہے۔ چاہے وہ انبیاء و اولیاء ہی کیوں نہ ہوں۔ بات واضح ہے کہ اللہ کے علاوہ نبیوں کے بندے بننا اور نبیوں کو رب بنانا باطل ہے، نہ کہ معاذ اللہ انبیاء ملائکہ اور صالحین باطل بندے ہیں۔ ایسے قول کے تصور سے بھی ایک مسلم کانپ اٹھتا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے یوں بھی بیان فرمائی۔

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۷۹، ۸۰)

”کسی آدمی کو لائق نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ (وہ کہے گا) تم ربانی بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو! اور اس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو بھلا جب تم مسلمان ہو چکے ہو تو کیا اسے لائق ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے۔“

غلط فہمی:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جو پیسے ہیں آپ چند صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں آپ نے بلند آواز سے اعلان فرمایا اے خندق والو! جابر نے کھانا تیار کیا ہے چلو ان کے گھر چلیں پھر آپ نے آنا اور ہانڈی میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور ایک ہزار مجاہدین نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا حتیٰ کہ کھانا بچ گیا۔^①

اس حدیث پاک سے رسول اللہ ﷺ کا کھانے کے سلسلے میں صحابہ کرام کو نفع پہنچانا

ثابت ہوا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ حدیبیہ کے دن بیا سے تھے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ڈول پانی تھا آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈول میں رکھا تو پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پھوٹنے لگا۔ ہم نے اس سے وضو کیا ہم تعداد میں ۱۵۰۰ تھے اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا۔^①

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پانی کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگی اور حبیب کبریاء نے مدد فرمائی۔

غزوہ تبوک کے دن لوگوں کو بھوک نے گھیر لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ”یا رسول اللہ! ان لوگوں سے ان کا بچا ہوا زاد راہ منگوا کر برکت کی دعا فرمائیے۔“ آپ نے دعا فرمائی اور فرمایا: ”اسے اپنے برتنوں میں بھر لو۔“ لوگوں نے اپنے برتن بھر لیے پھر کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے۔“^②

اس روایت سے سیدنا عمر فاروق کا کھانے میں اضافے کے لیے مدد مانگنا اور رسول اکرم ﷺ کا برکت عطا فرمانا ثابت ہوا۔

سیدنا عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو وہ رسول اللہ کے پاس آئے آپ نے فرمایا اپنا پاؤں آگے پھیلاؤ پھر آپ نے اپنا دست اقدس اس پر پھیرا تو وہ اس طرح ٹھیک ہو گیا کہ گویا کبھی اس کی شکایت ہی نہ کی تھی۔“^③

اس حدیث مبارکہ سے ایک صحابی کا پنڈلی جوڑنے کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ سے مدد طلب کرنا اور جواب میں رسول کریم مشکل کشا کا مدد فرمانا ثابت ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی حاجات و مشکلات کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے ہمارے پیارے آقا ان کی دنگیری فرماتے تھے۔ کسی مقام پر یہ ثابت نہیں کہ صحابہ کی عرض حاجت کے جواب میں آپ

نے یوں فرمایا ہو کہ ”اے میرے صحابہ کرام تم مجھ سے کیوں کہتے ہو؟ براہ راست اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کیوں نہیں کرتے؟“ اور نہ ہی کہیں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کہا ہو کہ ”اپنی مشکلات کے حل کے لیے امداد طلب کرنا شرک ہے۔“

ازالہ:

اہل سنت انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات کے قائل ہیں۔ لیکن یاد رکھیے معجزات و کرامات اس بات کا ثبوت تو ضرور ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی امر بھی محال نہیں ہے مگر ان سے قانون اخذ کرنا باطل ہے؛ بلکہ یہ ہے ہی عام قانون میں محال شے کا وجود پذیر ہونا۔

معراج رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے۔ معراج پر آپ انبیاء علیہم السلام سے مسجد اقصیٰ میں ملے۔ پھر آسمانوں پر ملے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف بھیج کر پچاس نمازوں سے تحفیت کروا کر پانچ نمازیں مقرر کروائیں آپ نے جنت میں بلال رضی اللہ عنہ کو جو تینوں سمیت چلتے ہوئے دیکھا۔ یہ سب معجزات ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہیں۔ ستم یہ ہے کہ معجزات و کرامات کو قانون بنا لیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے مکالمات کو بنیاد بنا کر یہ قانون ثابت کیا جاتا ہے کہ مردے زندوں کی مدد کرتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا مسجد اقصیٰ میں رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نماز ادا کرنے کے معجزہ کو انبیاء کرام کی دنیاوی حیات پر دلیل بنایا جاتا ہے۔ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اس سے یہ قانون اخذ کیا جاتا ہے کہ نبی قبروں میں زندہ ہیں۔

معجزات چونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہیں۔ لہذا وہ قانون نہیں بن سکتے۔ معجزہ دکھانا صرف اللہ کے اختیار میں ہے رسولوں کے اختیار میں نہیں، یہ تو صرف ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (الرعد: ۳۸/۱۳)

”اور کسی رسول کے اختیار میں یہ نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے۔“

رسول اللہ ﷺ سے کفار نے کچھ معجزات دکھانے کا مطالبہ کیا۔

﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تُكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مَوْجِدٌ نَخِيلٌ وَعِنَبٌ فَتَفْجُرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِيَنَا بِاللَّهِ وَالْبَلَاءِ كَيْفَ لَا نُكُونُ لَكَ بَيْتًا مِّنْ زُخْرِفٍ أَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۹۰/۱۷ - ۹۳)

”اور کہنے لگے ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں۔ یا آپ کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو جس کے اندر آپ نہریں بہا دیں۔ یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں آسمان کے ٹکڑے لا کر آئیں۔ یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں۔ یا آپ کا مکان سونے کا بن جائے۔ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک آپ ہمارے لیے کتاب نہ لائیں جسے ہم پڑھ بھی لیں۔ (اے رسول) آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے (یہ سب کام کر سکتا ہے) میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔“

ان آیات سے واضح ہے کہ معجزات دکھانا بشر اور رسول کے اختیار میں نہیں۔ اس کی واضح مثال موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَن آتِيَ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تُهْتَزُّ كَمَا تُهْتَزُّ الْعَوْنُ وَوَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمَّا يُعَقِّبُ يُوَسِّسِي أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ﴾

(القصص: ۳۱/۲۸)

”اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب (موسیٰ نے لاٹھی کو) دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اے

موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں سے ہو۔“

موسیٰ علیہ السلام کا لاشعی کے سانپ بننے پر ڈر محسوس کرنا واضح کرتا ہے کہ معجزات انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں نہیں ہیں۔ پھر کرامات اولیاء اللہ کے اختیار میں کیسے ہو سکتی ہیں۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ معجزات اللہ کی قدرت کا اظہار ہیں۔ قانون نہیں بن سکتے یقیناً کسی کنواری کے بن بیا ہے بچہ پیدا نہ ہوگا اور نہ ہی کسی غیر شادی شدہ عورت کو بچہ پیدا ہونے کی شکل میں مریم علیہا السلام کے واقعہ سے دلیل پکڑنے کی اجازت ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزہ ہے قانون نہیں۔

معجزہ یہ ہے کہ شب معراج میں ایک ہی رات میں آپ نے مکہ سے بیت المقدس کا سفر کیا پھر ساتوں آسمانوں پر گئے جنت کی سیر کی اور جہنم کی ہولناکیوں کا نظارہ کیا اور دوسری طرف قانون یہ ہے کہ ہجرت کے سفر میں ۳ دن ایک غار میں چھپنا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا کہ بار بار پانی میں کھانے میں اور پھلوں میں غیر معمولی برکت ہوئی مگر کیا آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھوکے نہیں رہے؟ ملاحظہ فرمائیں

جنگ خندق میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھود رہے تھے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فاقہ کی وجہ سے ہونے والی حالت دیکھی۔ لوگ ایک ایک مٹھی جو لاتے، پھر وہ جو بدبودار روغن میں پکائے جاتے اور صحابہ کے سامنے رکھ دیے جاتے۔ کھاتے وقت حلق میں جو ناگوار معلوم ہوتے اور ان میں سے بدبو بھی آتی (لیکن صحابہ کو کھانے پڑتے) ① جنگ خندق میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایسا وقت آیا کہ تین دن سے کسی نے بھی کھانا نہ کھایا تھا اور رسول مکرم ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ② اسی طرح جنگ تبوک کے سفر میں اثناء قیام کچھ دن بعد زاد راہ ختم ہو گیا لوگ فاقہ کی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ ③

جنگ تبوک کے سفر میں گرمی کا موسم، گرم زمین، سوار یوں کی کمی اور سفر کی مشکلات خود

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔

یہی وجہ ہے معجزات کی بنیاد پر کسی صحابی نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کو مافوق الاسباب مشکلات کے حل میں امداد کے لیے نہیں پکارا۔ کیونکہ نبی رحمت ﷺ نے انہیں ایسا کرنے کی تعلیم نہیں دی تھی بلکہ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ.))

”جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔“ ۵

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ سے استغاثہ (مدد طلب کرنا) کی تعلیم نہیں دی بلکہ امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے اعلان کروایا۔

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ﴾ (الأنعام: ۵۰/۶)

”کہہ دو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔“

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾

(یونس: ۴۹/۱۰)

”کہہ دو میں تو اپنے لیے نفع و نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جتنا اللہ

چاہے۔“

﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ (الحج: ۲۱/۷۲)

”کہہ دو کہ میں تمہارے لیے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔“

جب افضل البشر، امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے تو پھر اللہ قادر مطلق کے علاوہ کسی اور کو امداد کے لیے کیسے پکارا جا سکتا ہے؟

غلط فہمی:

غضب خدا کا کہ ایک عام آدمی اور اللہ کے نبی دونوں کو ایک مقام پر لا کھڑا کرنا کس

قدرتِ مطلقہ ہے۔ اگر میں کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ اگر میں کسی کی حاجت روائی نہیں کر سکتا تو کیا یہ لازم ہے کہ کوئی دوسرا بھی اسی طرح کا ہوگا؟ ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بڑے مقامات عطا فرمائے ہیں۔^①

ازالہ:

یہ افتراء ہے کہ اہل توحید عام آدمی اور اللہ کے رسول ﷺ کو ایک مقام پر لاکھڑا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے دنیا میں، میدانِ حشر میں اور روز قیامت جو مقام دیا وہ اللہ کی ساری مخلوق میں سے صرف آپ ہی کا حصہ ہے:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (الشراح: ۴)

”اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا۔“

اللہ نے دنیا میں آپ کا ذکر بلند کیا۔ قیامت تک کے لیے آپ کو رسول بنا کر آپ کا ذکر بلند کیا۔ میدانِ حشر میں تمام انبیاء علیہم السلام شفاعت کرنے سے انکار کر دیں گے۔ صرف آپ ﷺ کو یہ سعادت نصیب ہوگی کہ آپ سجدہ میں گر جائیں گے۔ اللہ فرمائے گا محمد اپنا سر اٹھاؤ، مانگو دیا جائے، کہو سنا جائے گا، شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ کا ذکر حشر کے میدان میں بھی بلند ہوگا۔ آپ حوضِ کوثر پر اپنے امتیوں کو پانی پلائیں گے۔ جنت کا دروازہ سب سے پہلے آپ ﷺ کھلوائیں گے۔ آپ کے امتی اہل جنت کا نصف ہونگے غرض ہر جگہ آپ کا نام بلند ہوگا۔

آپ قیامت کے دن انبیاء کے امام اور خطیب ہوں گے اور ان کی امتوں کی سفارش کریں گے۔^②

آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کے آپ سردار ہیں۔ قیامت کے دن اللہ کی حمد کا جھنڈا آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا۔^③

② ابن ماجہ: ۴۳۱۴.

① ذاکثر عثمانی کا علمی محاسبہ ۴۰.

③ ابن ماجہ ۴۳۰۸.

اگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ اللہ کی صفات میں شریک ہیں۔ دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں کو اولاد دینا، مقدمات سے بری کرنا، بیماری سے صحت دینا اور دیگر مصائب میں حاجت روائی آپ کی ذمہ داری نہیں ہے جو شخص ((اعْثْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ)) کہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ آپ کو کائنات میں تصرف (حالات کو بدلنے) کا اختیار ہے اور اللہ تعالیٰ بھی آپ کی رضا کا پابند ہے۔ کیا اس نے اس آیت پر غور نہیں کیا۔

﴿يَجْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضِي عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (التوبة: ۹۶/۹)

”یہ تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بے شک اللہ تو فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔“

اور یہ بھی فرمایا:

﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (التوبة: ۸۰)

”اے نبی! تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستر بار بھی ان کے لیے معافی کی دعا کرو گے اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشنے گا۔“

جب رسول اللہ ﷺ کی دعا اور درخواست تک کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ حال ہو تو پھر اور کون ہے جس سے ہم مدد طلب کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا کہا ٹال نہیں سکتا؟

اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی ارواح سے مدد طلب کرنا جائز ہوتا تو قرآن مجید میں کوئی ایک آیت تو اس کے جواز میں نازل ہوتی۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی دعائیں موجود ہیں۔ کسی نبی نے گزرے ہوئے نبی یا رسول کو مصیبت کے وقت نہیں پکارا؛ بلکہ اللہ ہی کو پکارا کیونکہ اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (المومن: ۱۴/۴۰)

”پس اللہ کو پکارو اس کے لیے دین کو خالص کر کے چاہے کفار برا کیوں نہ مانیں۔“

غلط فہمی:

جبریل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام سے کہا:

﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ (مریم: ۱۹)

”میں اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔“

اگر جبرائیل علیہ السلام کی طرف بیٹا دینے کی نسبت ہو سکتی ہے تو جو کوئی مجازی طور پر یہ کہے کہ غوث پاک نے بیٹا دیا، خواجہ صاحب نے شفا دی، داتا صاحب نے شادی کرا دی تو یہ ناجائز و حرام کس طرح ہو سکتا ہے؟

جب جبرائیل علیہ السلام بیٹا دیتے ہیں تو اللہ کے نبی ﷺ بیٹا کیوں نہیں دے سکتے؟

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کے دن ایک صحابی مشرک کو قتل کرنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس نے کافر کے اوپر کوڑا لگنے کی آواز سنی اور ایک سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا اے حیزوم آگے بڑھ۔ اس نے مشرک کو دیکھا تو وہ مرا پڑا تھا۔ اس کی ناک پر نشان تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے۔^①

اس روایت سے فرشتوں یعنی غیر اللہ کی طرف سے صحابہ کرام کی مدد فرمانا ثابت ہوا۔

ازالہ:

سورہ مریم کی آیت ۱۹ میں عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ یہ معجزہ ہے۔ پوری انسانی تاریخ کا فقط ایک ہی واقعہ ہے۔ اس معجزہ کو قانون بنا کر یہ کہنا کہ جبرائیل علیہ السلام بیٹا دیتے ہیں، سخت گمراہی ہے۔ کیا آج کوئی کنواری لڑکی یہ کہہ سکتی ہے کہ اے جبرائیل مجھے بیٹا دے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا: ”تم ہمارے پاس جیسے آیا کرتے ہو اس سے زیادہ دفعہ کیوں نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ (مریم: ۶۴)

”اور ہم بغیر تیرے رب کے حکم کے اتر نہیں سکتے۔“

بتائیے! جو مخلوق اپنی مرضی سے رسول اللہ ﷺ کے پاس تک نہیں آ سکتی وہ کسی کو بیٹا کیسے دے سکتی ہے؟ وہ تو اللہ کے حکم سے کسی کو بیٹا ہونے کی بشارت دے سکتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ملک الموت روح قبض کرتے ہیں:

﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ

تَرْجِعُونَ﴾ (السجدة: ۱۱)

”آپ ان سے کہہ دیجئے کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے تمہاری روح قبض کر

لے گا پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

کیا ائمہ اہل سنت نے ملک الموت کو پکارنے کی تعلیم دی کہ اے ملک الموت میں نے مرنے والے سے چند اہم باتیں کرنی ہیں یا اس مرنے والے کے ذمہ بہت سے معاملات ہیں اس کو ذرا مہلت دے تاکہ اپنے کام کو پورا کر سکے؟

اسی طرح لیلۃ القدر میں روح الامین اور فرشتے رحمتیں اور برکتیں لے کر نازل ہوتے ہیں:

﴿تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ﴾ (القدر: ۳)

”روح الامین اور فرشتے اس رات اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر نازل

ہوتے ہیں۔“

کیا کسی نے ان کو پکارا کہ تھوڑی سی رحمت اور برکت ہمیں دے جا؟ کوئی ان فرشتوں کو نہیں پکارتا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے:

﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم: ۶)

”اللہ انہیں جو حکم دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جو

انہیں حکم دیا جاتا ہے؟

یہ فرشتے تو سفارش بھی اسی کی کرتے ہیں جس کی سفارش کرنے کی اجازت اللہ دیتا ہے:

﴿وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئاً إِلَّا مِنْ بَعْدِ

أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾ (النجم: ۲۶)

”آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے

گی الا یہ کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور وہ سفارش اسے پسند

بھی ہو۔“

غلط فہمی:

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”کچھ مانگ“ انہوں

نے عرض کیا: جنت میں آپ کا ساتھ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”کچھ اور۔“ انہوں نے کہا

پس صرف یہی۔^①

آپ نے فرمایا مانگ اور کسی مطلوب خاص کی تخصیص نہ کی اس سے معلوم ہوا کہ

سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے

عطا فرماتے ہیں۔

ازالہ:

حدیث مبارکہ کے آخری حصہ پر غور کیجئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((فاعنى على نفسك بكثرة السجود .))

”پس تم کثرتِ نوافل سے اپنے مقصد کے حصول کے لیے میری مدد کرو۔“^②

اگر جنت آپ ﷺ کے اختیار میں ہوتی تو آپ سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کو کثرت سے

نوافل پڑھنے کا حکم کیوں دیتے؟

معلوم ہوا معاملہ وہی ہے جو ثوبان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا:

((أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ يَدْخُلُنِي اللَّهُ بِهِ الْجَنَّةَ .))

”مجھے ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل

کردے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ الْمَجُودِ لِلَّهِ .))

”تم بکثرت سجدے کرو۔“

سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کا مقصد واضح ہے کہ مجھے ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے جنت میں آپ کا ساتھ نصیب ہو جائے یا میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ اگر جنت آپ کے اختیار میں ہوتی تو آپ فرماتے جائیں نہ تجھے جنت دے دی۔ آپ نے کیوں فرمایا کہ کثرتِ نوافل سے میری مدد کرو۔

غلط فہمی:

اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے اسے مستقل (غیر محتاج) قادر مطلق، مالک و مختار اور غنی و بے نیاز مانا جاتا ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد (مدد طلب کرتے ہوئے) انہیں غیر مستقل (اللہ تعالیٰ کا محتاج) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے حاصل ہونے والے فیوض و برکات کا واسطہ و ذریعہ اور قضائے حاجات کے سلسلے میں ”وسیلہ“ سمجھ کر کی جاتی ہے..... یہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے ہر کام کی تکمیل کے لیے کوئی نہ کوئی وسیلہ ضرور بنایا ہے مثلاً وحی و روزی پہنچانے، بارش برسائے، ہوا چلانے..... روح قبض کرنے اور دیگر بے شمار کاموں کے لیے فرشتوں کو مقرر فرمایا.....

وہ ذات پاک ہر چاہت پر قادر ہونے کے باوجود تقریباً ہر کام کے لیے وسیلہ قائم کرنا ہی پسند فرماتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ غیر اللہ کی طرف رجوع کرنا اللہ تعالیٰ

کی مشیت کے عین مطابق ہے اور ان سے مدد حاصل کرنا ذرا صل اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنا ہے کیونکہ یہ اسی کی طرف سے اس کام کے لیے مقرر کیے گئے ہیں ❶
مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے ان کے معبودوں کو پیدا کرنے کے بعد ان کو الوہیت دے دی اب اللہ تعالیٰ کوئی کام نہ کرے اور یہ کرنا چاہیں تو یہ کر سکتے ہیں۔ ❷

ازالہ:

مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کو الہ حقیقی مانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اصل اختیارات اللہ کی پاس ہیں فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ بِيَدِ مَلَكُوتِ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ﴾ (المومنون: ۲۳/۸۹، ۸۸)

”کہہ دیجئے کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ بتاؤ اگر تم جانتے ہو وہ ضرور کہیں گے کہ یہ شان اللہ ہی کی ہے۔“

معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کی طاقت کو عطاء سمجھتے تھے اور وہ اپنے معبودوں کو اللہ کی بارگاہ میں اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔

﴿وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس: ۱۸/۱۰)

”اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔“

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفَى﴾ (الزمر: ۳/۳۹)

”اور ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔“

یہی وجہ ہے کہ مشرکین مکہ سخت مصیبت میں صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے۔

﴿قُلْ مَنْ يَنْجِيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ آتَيْنَا مِنْ هَذِهِ لَنُكَوِّنَنَّ مِنَ الشَّكِرِينَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يَنْجِيكُمْ مِنْهَا

❶ غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا؟ علامہ محمد اکل عطا قادری عطاری۔

❷ توحید اور شرک میں، از احمد سعید کانہی۔

وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٦٤﴾ (الأنعام: ٦٣، ٦٤)

”کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں جنگل اور دریا کی آفتوں سے نجات دیتا ہے جب تم گڑگڑا کر اور آہستہ آہستہ پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے تم کہہ دو کہ وہ تمہیں اس سے اور ہر بے چینی سے نجات دیتا ہے پھر تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔“

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (العنكبوت: ٢٩/٦٥)

”پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں اور خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔“

بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے مشرکین کہا کرتے تھے:

((لبيك اللهم لبيك ، لبيك لا شريك لك الا شريكا هولك

تملكه وماملك.)) ❶

”میں حاضر ہوں اے اللہ، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک جو

تیرا ہے، تو اس شریک کا اور جو اس کے اختیار میں ہے اس کا بھی مالک ہے۔“

ان آیات سے مشرکین مکہ کے نظریات واضح ہیں کہ وہ اصل قدرت اور طاقت اللہ ہی کی مانتے تھے سخت مصیبت میں اسی کو پکارتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اللہ کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اپنے معبودوں کو صرف سفارش جانتے تھے۔ اور آج کے کلمہ گو بھی انبیاء علیہم السلام واولیاء اللہ کے بارے میں یہی نظریات رکھتے ہیں۔

غلط فہمی

اللہ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ
وَأَسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (النساء: ۶۴/۴)

”جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔“

معلوم ہوا ہر قسم کا مجرم ہمیشہ آپ کی قبر کے پاس حاضر ہو کر شفاعت طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ براہ راست مغفرت فرمانے پر قادر ہے تو پھر اس نے لوگوں کو اپنے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مغفرت کے لیے مدد طلب کرنے کا حکم کیوں دیا؟

ازالہ:

جَاءُوكَ سے آپ کے پاس آنا مراد ہے قبر نبوی مراد نہیں ہے۔ دیکھئے مندرجہ ذیل آیت میں بھی جَاءُوكَ آیا ہے

﴿وَإِذَا جَاءُوكَ وَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ أُولَٰئِكَ يَاسَآءٌ لِّمَن يَخْتَرُ﴾ (المجادلة: ۸/۵۸)
”اور جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا۔“

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں کی ایک بدترین خصلت یہ تھی کہ سلام کے الفاظ کو بدل دیتے تھے ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ کو سام علیک یا ابوالقاسم کہا سام کے معنی موت کے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہ رہا گیا اور کہنے لگیں وعلیک السلام آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ برے الفاظ اور سخت کلامی کو ناپسند فرماتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے نہیں سنا انہوں نے آپ کو سلام نہیں کہا بلکہ سام کہا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے نہیں سنا میں نے کہا: وعلیکم۔ ❶

معلوم ہوا دونوں آیات میں مراد آپ کی زندگی ہے۔ یہ آیات قبر نبوی پر آ کر مانگنے کی

دلیل نہیں بن سکتی۔

یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَارِعُ وَ سَهُمْ
وَرَأَيْتَهُمْ يَصْذُوقُونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ﴾ (المنافقون: ۵/۶۳)

”اور جب ان (منافقین) سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لیے مغفرت
مانگیں تو یہ (نفسی میں) سر ہلا دیتے ہیں اور تم ان کو دیکھو کہ تکبر کرتے ہوئے منہ
پھیر لیتے ہیں۔“

آیت سے بالکل واضح ہے کہ یہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا واقعہ ہے کہ آپ کی
دائے مغفرت گناہوں کی معافی کا باعث تھی اور جن خوش نصیبوں نے آپ کی خدمت میں
آکر اپنے گناہوں سے توبہ کی وہ رضی اللہ عنہم ورضو اعنہ کا انعام پا گئے۔

آپ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور محدثین کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک
نے بھی آپ ﷺ کی قبر پر آکر آپ ﷺ سے سفارش کی درخواست نہیں کی بلکہ انہوں
نے براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کی، فوت شدہ بزرگوں کی قبروں پر جا کر ان سے دعائیں
کروانے کا ثبوت احادیث صحیحہ، صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور محدثین رضی اللہ عنہم سے نہیں ملتا۔

غلط فہمی:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ (البقرة: ۴۵/۲)

”مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ۔“

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو۔ نماز اور صبر بھی تو
غیر اللہ ہیں۔ کیا اس آیت پاک میں معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قابل گرفت اور ناجائز
کام کی ترغیب دے رہا ہے؟

ازالہ:

کبھی کسی نے سنا کہ کوئی شخص صبر یا نماز کو پکار رہا ہو۔ اے صبر، اے نماز میری مدد کرو۔ ایسا کہنے والا احمق ہے اس آیت کا سیدھا اور صاف مفہوم ہے کہ صبر اختیار کرو اور نماز پڑھو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔ جس سے مشکلات دور ہوئیں گویا کہ صبر اور نماز نیک اعمال میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا انتہائی موثر ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ غلط فہمی:

میرے آقا نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ مُعْطٍ وَّآنَا قَاسِمٌ﴾

”اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے میں بانٹتا ہوں۔“

اس کی عطا بھی عام ہے میری تقسیم بھی عام ہے۔ وہ دنیا بھی دیتا ہے میں دنیا بھی بانٹتا ہوں وہ دین بھی دیتا ہے میں دین بھی تقسیم کرتا ہوں۔ علم، اولاد، ایمان غرض یہ کہ دین و دنیا کی ہر نعمت وہ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔ ❶

ازالہ:

حدیث کی ابتدائی عبارت کیوں حذف کی جاتی ہے حدیث یہ ہے:

((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَآنَمَا آنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ مُعْطٍ))

”جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا

ہے اور میں تو بانٹنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے۔“ (طبرانی)

حدیث کے الفاظ اور عبارت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہاں عطا سے مال و دولت مراد نہیں بلکہ تفقہ فی الدین مراد ہے۔ وہ فہم مراد ہے جو کتاب و سنت کے معانی و مفہوم کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور آج وہ احادیث کی کتب میں محفوظ ہے کوئی شخص بھی نبی رحمت ﷺ کی

تعلیمات سے بے نیاز ہو کر دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَفَ بَيْنَهُمْ﴾ (الأنفال: ۶۳/۸)

”اگر آپ زمین کے تمام خزانے بھی خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے تھے۔ ان کے دلوں کو بھی اللہ ہی نے جوڑا ہے۔“

قرآن حکیم کی ان محکم آیات کے بعد کیا دلیل ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو کائنات میں متصرف (حالات بدلنے والا) سمجھیں۔ ماننا پڑے گا کہ قدرت و اختیارات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اوس و خزرج کی دیرینہ عداوتوں کا خاتمہ یعنی دلوں میں محبت اور الفت ڈالنا نبی ﷺ کے اختیار میں نہ تھا۔

پھر یہ حدیث قرآن کی اس آیت ہی کے مفہوم میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِإِسْلَامٍ وَمَنْ يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ﴾

(الأنعام: ۱۲۵/۶)

”پس جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہے اس کے سینہ میں گھٹن پیدا کر دیتا ہے گویا کہ وہ مشکل سے آسمان پر چڑھ رہا ہو۔“

غلط فہمی:

میرے آقا نے فرمایا:

((اعطيت مفااتيخ خزائن الارض.))

”اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں مجھے عطا فرمادیں۔“^۱

کنجی کے معنی اختیار کے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام اختیارات اپنے حبیب کو عطا فرمادیئے حضور جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔

ازالہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ﴾ (الأنعام: ۵۰/۶)

”اے نبی تم کہہ دو کہ میں نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔“

آیت میں اللہ کے دیئے گئے خزانوں کی نفی ہے جس سے ذاتی اور عطائی کی تاویل کی گنجائش بھی نہیں رہتی۔ یہ ناممکن ہے کہ قرآن جس کی نفی کرے حدیث میں اس کا ثبوت ہو۔ اس حدیث سے مراد فتوحات مصر و شام وغیرہ ہیں۔ اور خزانوں سے مراد مال و دولت ہے جیسا کہ حدیث کے آخری ٹکڑے میں آیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((وَقَدْ ذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنْتُمْ)) ❶

”اور رسول اللہ ﷺ چلے گئے ہیں اور تم انہیں (یعنی خزانوں کو) اکٹھا کر رہے ہو۔“

اور اس مفہوم کو واضح طور پر سورت یوسف میں دیکھا جاسکتا ہے جب اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام ﴿اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ﴾ (یوسف: ۵۵) کہتے ہیں تو کون سے خزانے ہیں جو یوسف علیہ السلام بادشاہ مصر سے مانگ رہے ہیں، یہاں ابہام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے تمام اختیارات اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمادیئے ہیں، آپ جسے جو چاہیں عطا فرمائیں اور جس کو چاہیں نہ دیں تو پھر آپ ﷺ ابو طالب کو ایمان کی دولت کیوں نہ دے سکے؟ ملاحظہ فرمائیں۔

جب ابو طالب کی موت کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے۔ اس کے قریب ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا جان

لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے میں اللہ کے ہاں آپ کے کلمہ کی گواہی دوں گا۔ ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ کہنے لگے کیا تو اپنے باپ عبد المطلب کے مذہب سے پھر جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ اُسے سمجھاتے رہے اور وہ دونوں اُسے روکتے رہے۔ آخر کار ابوطالب نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ میں عبد المطلب کے مذہب پر ہوں، اگر مجھے اپنے خاندان قریش کے اس طعنے کا خوف نہ ہوتا کہ اس نے موت کی گھبراہٹ کی وجہ سے کلمہ پڑھ لیا تھا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تیری آنکھیں ضرور ٹھنڈی کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ضرور تیرے لیے اپنے رب سے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ منع نہ فرمائے۔ چنانچہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾

(التوبہ: ۱۱۳)

”نبی اور مومنوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش طلب کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی کہ مشرک جہنمی ہوتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے یہ آیت بھی نازل فرمائی۔

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (القصص: ۵۶)

”اے نبی جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ یہ اللہ ہی ہے کہ جو جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔“

قرآن مجید کی اس آیت پر غور فرمائیے۔

﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۳)

”اور آپ خواہ کتنا ہی چاہیں ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔“
یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ((ما شاء اللہ و
شئت)) جو اللہ اور آپ چاہیں (وہی ہوتا ہے)۔ آپ نے فرمایا:

”تو نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا۔ بلکہ کہو جو اللہ اکیلا چاہے۔ (وہی ہوتا ہے)“^①

یہ کہنا کہ علم، اولاد، ایمان غرض یہ کہ دین و دنیا کی ہر نعمت اللہ دیتا ہے اور نبی
پاک ﷺ اسے بانٹتے ہیں۔ کیا یہ آیت اور حدیث اس نظریہ کی واضح تردید نہیں کر رہی؟
غلط فہمی:

حسنِ حصین میں ہے کہ جب مدد لینا چاہو تو کہہ دو ((یا عباد اللہ أعینونی .))
..... ”اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔“

ملائی قاری لکھتے ہیں کہ عباد اللہ سے مراد فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال الغیب یعنی ابدال
ہیں یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔^②
ازالہ:

- ۱۔ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں عبد بن غزو ان مجہول راوی ہے۔
- ۲۔ ایک راوی ابن حسان کو محدثین نے منکر الحدیث کہا ہے۔ لہذا یہ سند ضعیف و مردود ہے۔
اس سے استدلال جائز نہیں۔

غلط فہمی:

اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا
﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾
(المائدہ: ۲)

”نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ
دو۔“

کیا اس آیت میں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک ناجائز کام کی تعلیم دے رہا ہے؟

اللہ تعالیٰ انبیاء کو بد کرنے کا حکم دیتا ہے:

﴿لَتَتَوَّعُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ (آل عمران : ۸۱)

”تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔“

کیا اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مدد کا حکم دے کر معاذ اللہ شرک کی تعلیم دینا چاہی ہے؟

نبی نے غیر اللہ سے دین کے لیے مدد طلب فرمائی:

﴿قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾

(آل عمران : ۵۲)

” (عیسیٰ نے) کہا (بھلا) کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے

مددگار ہوں۔ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔“

موسیٰ علیہ السلام کے اپنے حواریوں سے مدد طلب کرنے پر شرک کا فتویٰ جاری ہو گا یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ کا بندوں کو کفایت میں شریک کرنا ملاحظہ فرمائیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

(الانفال : ۶۴)

”اے نبی اللہ اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہیں تمہیں کافی ہے۔“

کیا مختلف معاملات میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے لیے کافی نہیں ہے؟ اگر ہے تو پھر

غیر اللہ کو اس میں کیوں شریک کیا گیا؟

﴿فَلِإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاكَ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ

ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾ (التحریم)

”بے شک اللہ اس کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مومن اور اس کے بعد فرشتے

”مدد پر ہیں۔“

اللہ عزوجل کا غیر اللہ کو رسول اکرم کا مددگار فرمانا درست ہے یا غلط؟

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص کو بچھونے ڈنگ مار دیا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کسی نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اس پر دم کروں؟ آپ نے فرمایا جو اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچا سکے تو اسے چاہیے کہ وہ ایسا کرے۔^①

معلوم ہوا اپنے مسلمان بھائی سے نفع کی امید رکھنا جائز نہیں۔

ازالہ:

دعا و پکار اور امداد جو تحت الاسباب ہو وہ بالاتفاق درست ہے۔ اوپر کی تمام آیات میں تحت الاسباب امداد کا ذکر ہے مخلوقات کا اپنی فطری قوت و اختیار کے دائرے میں رہ کر ایک دوسرے سے مدد لینا شرک و توحید کی بحث سے خارج ہے۔ مثلاً پاکستان میں بیٹھے ایک شخص کے پاس ٹیلیفون کا ذریعہ موجود ہے تو اس سے مدد چاہنا کہ مکہ میں میرے بیٹے سے فلاں نمبر پر معلوم کرو کہ کل وہ کس وقت پاکستان آ رہا ہے ہرگز ہرگز شرک نہیں ہے کیونکہ سبب (ذریعہ) موجود ہے۔ مومنین اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے آپس میں تحت الاسباب (اللہ کے دیے ہوئے اختیارات کے تحت) ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ مشرکین مکہ کو مشرک اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ انبیاء، اولیاء، ملائکہ اور جنات کو ان معاملات میں پکارتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار نہیں دیا اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے کسی کو زندہ کرنے اور مارنے کا اختیار نہیں دیا بیماری سے شفا دینا اور رزق عطا کرنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ کوئی کسی کی نہ تو تقدیر بدل سکتا ہے نہ ہی کسی کے دل کو بدل کر اس میں محبت یا نفرت کے جذبات پیدا کر سکتا ہے۔ اس طرح فتح و شکست، ذلت و عزت، اطمینان اور بے اطمینانی پیدا کرنے کے اختیارات مخلوق میں سے کسی کے پاس نہیں۔ اسی طرح کل کیا ہوگا؟

بارش کب ہوگی؟ کسی کو موت کب آئے گی؟ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ یہ سب سوائے اللہ عالم الغیب کے کوئی نہیں جانتا ان علوم، قدرتوں اور صفات کو مافوق الاسباب کہا جاتا ہے۔ لہذا مافوق الاسباب میں اللہ کے سوا کسی کو امداد کے لیے پکارنا شرک ہے اور یہی مسئلہ یہاں زیر بحث ہے۔ بزرگوں سے ان کی زندگی میں دعا کروانے والا موحد ہے بشرطیکہ ان کی دعا کو سبب اور ذریعہ سمجھے اور مشکل کشا اور حاجت روا صرف اور صرف اللہ کو جانے۔ اور ان بزرگوں کے فوت ہونے کے بعد جب ان کے پاس اسباب نہیں رہے۔ اب ان کو ہر جگہ سے سننے والا اور مشکل دور کرنے والا سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔ یہی وجہ ہے نایاب صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے دعا کرواتا ہے۔^①

مگر یہ صرف آپ کی زندگی میں تھا۔ آپ کی وفات کے بعد دورِ عمر میں قحط پڑا تو عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا سے دعا کروائی اور خود بھی اللہ سے عرض کیا ہم نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے تو بارش برساتا تھا اب ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں اے اللہ بارش بھیج۔^②

اگر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ان سے مدد مانگنا جائز ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم قبر نبوی پر حاضر ہو کر آپ سے مدد مانگتے۔

تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا فرق سمجھنے والوں کے لیے اس آیت مبارکہ میں واضح دلیل موجود ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلَيْسَ تَسْجُدُوا لَهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ أَلَهُمْ أَرْجُلُ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ (الأعراف: ۱۹۴/۷)

”(مشرک) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں۔ اچھا

تم ان کو پکارو اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تم کو جواب بھی دیں۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں یا کان ہیں جن سے سیں۔“

غلط فہمی:

پیارے آقا ﷺ کی بابت قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا نَقْمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾

(التوبة: ۷۴/۹)

”یہ سب کچھ اس کا بدلہ تھا کہ اللہ اور رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔“

آیت کریمہ صاف صاف اعلان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مصطفیٰ کریم کی عطا دونوں ایک ہیں۔^①

ازالہ:

آیت کا صاف، سیدھا اور واقعات کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے اور مال غنیمت کے حصول سے مومنین کے ساتھ ساتھ منافقین کی بھی مالی حالت درست ہو گئی۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک کے لیے آسودگی، فراغت اور مال و دولت اللہ کے رسول ﷺ عطا فرماتے ہیں۔

یہ لوگ نہ صرف یہ کہ ”توحید“ کے معاملہ میں راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں بلکہ آیات و احادیث سے ایسے نکتے نکالتے ہیں جن سے عبد اور معبود کے مابین فرق مشتبہ ہو جائے۔ جب اس آیت کا کسی صحابی، امام یا مفسر نے یہ مفہوم نہیں لیا کہ غربت کی حالت میں اپنے گھروں میں بیٹھ کر پکار لگائی جائے کہ یا رسول اللہ ہماری محتاجی دور فرما کر ہمیں غنی کر دیجئے۔ پھر اس آیت سے ”یا علی مدد“ پر دلیل لینے کا کیا جواز ہے؟

غلط فہمی:

امام ابو بکر ابن ابی شیبہ اپنی کتاب مصنف اور امام بیہقی اپنی تصنیف ”دلائل النبوة“ میں

مالک الدار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارکہ میں قحط پڑا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے مزار پاک پر آ کر عرض کی یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا طلب کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہوئے جاتے ہیں رسول اللہ ان کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر اسے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ لوگوں کو خبر دے دو کہ عنقریب انہیں سیراب کیا جائے گا۔“

ازالہ:

اس اثر پر عصر حاضر کے محدث کبیر الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”التوسل أنواعه وأحكامه“ میں صفحہ نمبر ۱۱ میں سیر حاصل گفتگو کی ہے جس میں آپ نے اس واقعہ کو ضعیف قرار دیا ہے اس کی دو وجوہات بیان کی ہیں:

۱۔ اس واقعہ کے اصل راوی مالک الدار ہیں ان کے حالات ان کا ثقہ اور عادل ہونا معلوم نہیں۔ وہ عدالت و ضبط کے اعتبار سے غیر معروف ہیں اور کسی بھی روایت کے صحیح ہونے کے لیے راوی کا معروف ہونا بنیادی شرط ہے۔

۲۔ مالک الدار کہتے ہیں کہ ایک شخص آیا انہوں نے اس شخص کا نام نہیں لیا۔ لہذا وہ بھی مجہول ہے۔ سیف کی روایت میں اس کا نام بلال بتایا گیا ہے مگر اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ سیف ابن عمر التیمی کے ضعف پر محدثین کرام متفق ہیں بلکہ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

غلط فہمی:

طبرانی میں ہے ایک شخص عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ المسلمین میری بات نہیں سنتے تو عثمان بن حنیف نے انہیں ایک دعا سکھائی جس میں ہے کہ اے محمد میں آپ کے ذریعہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

ازالہ:

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا قصہ صحیح اسناد سے کتب احادیث میں موجود ہے کہ انہیں نبی

رحمت ﷺ نے دو رکعت پڑھ کر دعا کرنے کا حکم دیا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کے لیے دعا کی آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عین آپ کی دعا کے ذریعے اپنی تکالیف دور کروایا کرتے تھے لیکن وفات النبی ﷺ کے بعد کسی صحابی، تابعی یا امام نے آپ کو نہیں پکارا کہ آپ انکی مشکلات حل کروائیں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے اس قصہ میں طبرانی کے اضافی قصہ کو عصر حاضر کے محدث کبیر الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے قصہ ضعیفہ منکرہ قرار دیا ہے۔

ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- ۱۔ اس قصہ کی روایت میں شعیب بن سعید المکی راوی ہیں۔ یہ ثقہ راوی ہیں۔ مگر حفظ میں ضعف ہے۔ جب وہ یونس سے روایت کرتے ہیں تو وہ قابل قبول ہے کیونکہ یونس بن یزید کی کتاب ان کے پاس تھی اور ان سے ان کا بیٹا روایت کرے تو اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ بھی اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ جیسا کہ التقریب میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یونس کے علاوہ کسی سے انکی کوئی روایت امام بخاری اپنی صحیح میں نہیں لائے اور نہ ہی وہ ابن وہب سے ان کی کوئی روایت لائے ہیں۔ یہی بات ابن عدی سے امام ابن حاتم ”الجرح والتعذیل“ میں صفحہ نمبر ۳۵۹ پر بیان کرتے ہیں۔ لہذا طبرانی کی وہ سند جو شعیب بن سعید سے عبد اللہ بن مصعب روایت کرتے ہیں ضعیف ہے۔ کیونکہ:
- (۱)..... شعیب بن سعید راوی منفرد ہیں اور انکے حفظ میں کلام ہے خاصکر جب ان سے عبد اللہ بن وہب روایت کرے تو وہ حجت نہیں۔

- ۲۔ اس قصہ میں ثقات کی مخالفت ہے جنہوں نے اس قصہ کو روایت نہیں کیا۔ بلکہ مستدرک میں روح بن قاسم سے عمارہ البصری روایت کرتے ہیں اور اس قصہ کو بیان نہیں کرتے اسی طرح شعبہ اور حماد بن سلمہ عن ابی جعفر الخطمی کی روایت میں بھی یہ قصہ موجود نہیں۔ اس حدیث کو ابن سنی نے ”عمل الیوم واللیلہ“ صفحہ نمبر ۳۰۲ میں حاکم نے ۵۳۴/۴ میں تین طریقوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں یہ قصہ موجود نہیں۔ لہذا یہ قصہ منکرہ ہے۔

غلط فہمی:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ (الأنفال: ۱۷/۸)

”(اے محمد) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے (کنکریاں) نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔“

اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟

ازالہ:

- ۱۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا۔ لیکن إِذْ رَمَيْتَ کہہ کر کنکریوں کو پھینکنے کا فعل نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا پھر نفی کر کے اپنی طرف اضافت کی۔ فعل ایک ہی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہاتھ سے پھینکی۔ جبکہ اس کا سبب اللہ تعالیٰ ہے جس نے ایسا کرنے کا حکم دیا اور پھر ان کنکریوں کو مشرکوں تک پہنچا دینا اللہ ہی کا کام ہے۔ اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے تم میں یہ قوت پیدا کر دی تھی ورنہ تم اپنے کسب و اختیارات سے یہ کام نہ کر سکتے تھے یہ آیت تو توحید خالص کی ایک روشن دلیل ہے۔ اللہ نے بدر میں چاہا تو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے ریت کے ذرے پھینکوا دیئے جس نے کفار مکہ کو بدحواس اور پریشان کر دیا دوسری طرف احد میں اللہ نے نہ چاہا تو خود رسول اللہ ﷺ بھی زخمی ہو گئے اور ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔
- ۲۔ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد قریش مکہ کے مقابلہ میں بہت کم تھی ساز و سامان اور اسلحہ کی قلت بھی مگر پھر بھی مسلمان اللہ کے فضل سے کفار پر غالب آئے یہ غیر معمولی واقعہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنا احسان جتلا رہے ہیں۔ یہاں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختیارات و قدرت کی نفی کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت اور قدرت کا اظہار ہے۔ اس آیت کا بھی مفہوم یہی ہے:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ﴾ (الأنفال: ۱۷/۸)

”تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا ہے۔“

یہاں بھی سبب اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کے حکم سے مومنین نے ان سے قتال کیا اور وہی مومنین کو فتح دینے والا ہے لہذا اس فعل کی اضافت اللہ کی طرف بھی ہے۔
غلط فہمی:

جب بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت سمع، بصر اور قدرت کے انوار بندے کی سمع اور قدرت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں یہ مقرب بندہ صفات الہیہ کا مظہر بن جاتا ہے یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے نورِ سمع سے سنتا ہے۔ نورِ بصر سے دیکھتا ہے اسی کے نورِ قدرت سے تصرف کرتا ہے جب قرآن سے ثابت ہے کہ درخت سے انبی انا اللہ کی آواز آ سکتی ہے تو عبد مقرب کے لیے یہ کیونکر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع و بصر کا مظہر نہ ہو سکے۔ (توحید اور شرک از کاظمی)

ازالہ:

علماء سلف نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ وہ مکمل طور پر اللہ کے ساتھ مشغول ہے۔ اس کا کان ادھر ہی متوجہ ہو جاتا ہے۔ جس طرف اللہ راضی ہوتا ہے اور اپنی آنکھ سے وہی کچھ دیکھتا ہے جس کا اللہ نے اسے حکم دے رکھا ہے وہ اپنا ہاتھ پاؤں اللہ کی رضا کے کام کی طرف بڑھاتا ہے۔ یعنی وہ شخص اس کو نہیں سنتا جس کے سننے کی شرع اجازت نہ دے۔ نہ ہی اسے دیکھتا ہے جسے دیکھنے سے شرع نے منع کیا ہے۔ خلاف شرع کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا اور نہ ہی اس کام کی طرف چلتا ہے جس کے کرنے کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔

فرقہ حلوئیہ اور اتحادیہ کا یہ خیال کہ یہ کلام حقیقت پر ہے اور اللہ تعالیٰ عین عبد بن جاتا ہے یا اس میں حلول کر چکا ہے عین گمراہی اور کفر ہے۔ حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ اگر اس نے مجھ سے سوال کیا تو میں اس کا سوال پورا کروں گا۔ اگر پناہ طلب کرے تو پناہ دوں گا۔^①
یہ الفاظ دلیل ہیں کہ اللہ اور بندہ الگ الگ ہیں۔ اللہ انسان میں حلول نہیں کرتا۔ اگر

حلولیہ کے معنی مراد لیے جائیں تو پھر اس مرتبہ پر پہنچا ہوا شخص ہاتھ سے استنجا کیوں کرتا ہے۔ ہاتھ گندگی میں کیوں ڈالتا ہے۔ پاؤں سے بیت الخلا کیوں جاتا ہے؟ اسی طرح آنکھ اندھی، کان بہرا، ہاتھ لولہ یا پاؤں لنگڑا کیوں ہوتا ہے کیا ان صفات کو اللہ کی طرف منسوب کرو گے اُستغفر اللہ ثم اُستغفر اللہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جنگ احد میں آپ ﷺ کا سر اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ اس میں سے خون نکل آیا، کیا معاذ اللہ خود اللہ ہی کو یہ زخم ہوا تھا؟

اگر صوفیا کے معانی تسلیم کیے جائیں تو جس کا ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور کان اللہ ہے اس کو تکبر سے کیا منع؟ پھر جن آیات و احادیث میں تکبر کرنے سے منع فرمایا وہ کن کے لیے ہے؟ لہذا وہ معنی جو سلف صالحین نے بیان کیے وہی درست ہیں۔



حب رسول ﷺ میں غلو

اگر کوئی شخص حب رسول ﷺ کا تو مدعی ہو مگر محبوب کے احکام کی پروا نہ کرے اور اپنے دل اور نفسانی خواہش سے ایسی باتیں نکالے جو محبوب کو ناپسند ہوں تو ایسی محبت محبت نہیں بلکہ نافرمانی اور سرکشی ہے۔ آپ اپنی امت کو شرک سے ڈرائیں اور عاشقانِ رسول شرک کے معاملہ میں بے پرواہ ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد، حکم اور فرمان کی اس بے دردی کے ساتھ مخالفت اور خلاف ورزی کے بعد عشقِ رسول کا دعویٰ ایک ایسا تضاد ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ کتنا بڑا دھوکہ ہے جو عشقِ رسول کے نام پر لوگوں کو دیا جا رہا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے حقیقی محبت کرنے والوں کو اور دین کے داعیوں کو گستاخِ رسول کہہ کر مطعون کیا جا رہا ہے تو حید کے بارے میں یہ لوگ اتنے بے پرواہ ہیں کہ کوشش کرتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی نکتہ پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو ایک ہی سطح پر لے آئیں اور عبد و معبود کا یہ فرق و امتیاز کسی نہ کسی حیلہ سے مٹے نہیں تو کم سے کم ملتیس ہو جائے۔

ان کے چند افکار ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ محمد خدا ہیں:

مولوی محمد یار گھڑی والے خواجہ غلام فرید کے خاص خلیفہ ہیں۔ انہوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کا نام دیوانِ محمدی ہے۔ وہ وحدۃ الوجود کے نظریہ کو جتنا عریاں کر سکتے تھے اپنے دیوان میں اس کو اتنا عریاں کیا۔ اس دیوان کا ایک شعر ہے:

گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا
پھر تو سمجھو مسلمان ہے دعا باز نہیں

شعر میں پہلا محمد شاعر کا تخلص ہے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ محمد یار گھڑی والے نے اگر محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا مان لیا پھر تو سمجھ لیجئے کہ وہ حقیقی مسلمان ہے اگر محمد کو خدا نہیں مانتا پھر یہ بات رسول کے ساتھ دعا بازی کے مترادف ہے۔ کسی نے علامہ سید احمد سعید کاظمی صاحب کو یہ شعر لکھ کر سوال کیا کہ کیا بریلوی مذہب میں ایسا عقیدہ درست ہے انہوں نے جواب میں لکھا کہ ایسی عبارتیں دیوبندی اور بریلوی مسلک کے علما کی کتب میں پائی جاتی ہیں اور ان کی بنیاد عقیدہ وحدۃ الوجود ہے جو ابن عربی کا عقیدہ ہے پھر وہ اس عقیدہ کے حق میں دلائل دیتے ہیں مگر نہ تو قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کرتے ہیں نہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان۔

کاظمی صاحب کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا
پھر تو سمجھو مسلمان ہے دعا باز نہیں

سلام مسنون.....دعا:

حضرت قبلہ مولانا محمد یار صاحب کا وہ شعر جو تم نے لکھا اور اس جیسی دوسری عبارات (جو مسلم بن الفریقین علماء کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں) مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعینات سے قطع نظر کر کے موجود حقیقی یعنی مابہ الوجودیت حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں ہر شے کا یہی حال ہے کہ تعینات کا انقضا ہو جائے تو حقیقت حقہ کے سوا کچھ نہیں اس میں نبی، غیر نبی حتیٰ کہ محمد ﷺ کی بھی خصوصیت نہیں بلکہ عامہ خلایق مظاہر ناقصہ ہیں اور اولیاء کرام اپنے مراتب کے لحاظ سے کامل مظہر ہیں اور انبیاء علیہم السلام ان سے زیادہ مظہر اور جمیع کائنات سے اکمل و افضل مظہریت حضور سید عالم ﷺ کے لیے حاصل و ثابت ہے اس لیے کہ کمال امور اضافہ یعنی سے ہے۔ دیکھئے مولانا محمد یار صاحب کے شعر کا مضمون حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کے کلام میں ہے:

((أنت تحسبه محمد العظيم الشان كما تحسب السراب ماء

وهو ماء في رأي العين فاذا جئت محمدا لم تجد

محمد اوجدت انه في صورة محمدية ورايته برؤيته
محمدية .)) ❶

یعنی محمد عظیم الشان ﷺ کو محمد گمان کرتے ہو جیسے کہ تم سراب کو دور سے دیکھ کر پانی سمجھتے ہو اور وہ ظاہری نظر میں پانی ہی ہے مگر حقیقتاً آب نہیں ہے بلکہ سراب ہے اسی طرح جب تم محمد ﷺ کے قریب آؤ گے تو تم نبی کریم ﷺ کو نہ پاؤ گے بلکہ صورت محمدیہ میں اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے اور رویت محمدیہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے کلام میں اسی قسم کا مضمون موجود ہے انتباہ کے ص ۹۲ پر فرماتے ہیں: (صورت مرشد کہ ظاہر دیدہ می شور مشاہدہ حق سبحانہ تعالیٰ است در پردہ آب و گل و صورت مرشد کہ در خلوت نموداری شود آں مشاہدہ حق تعالیٰ است بے پردہ آب و گل) غور کیجیے صورت مرشد دیکھئے کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور آب و گل یعنی جسمانیت اور بشریت کو محض ایک پردہ قرار دے رہے ہیں۔ آج کے دیوبندی وحدۃ الوجود کے بھی منکر ہیں حالانکہ جن حضرات کو یہ اپنے مشائخ قرار دیتے ہیں وہ اس مسئلہ پر بڑے متشدد اور حریص رہے ہیں دیکھیے انور شاہ کشمیری اپنی کتاب فیض الباری جلد رابع ۴۲۸ حدیث شریف کنت سمعہ الذی یسمع بہ کے تحت دیوبندیوں کے بیان کردہ معنی کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

((قلت وهذا عدول عن حق الالفاظ لان قوله کنت سمعہ بصیغة المتکلم يدل علی انه لم یبق من المتقرب بالنوافل الا جسده وشبهه وصار المتصرف فیہ الحضرة الالهية فحسب وهذا الذی عناء الصوفیہ بالفناء فی اللہ تعالیٰ ای الانسلاخ عن دواعی نفسه حتی لا یكون المتصرف فیہ الا هو وفی الحدیث لمعة الی وحدۃ الوجود وکان مشائخنا مولعون

بتلك المسئلة الى زمن الشاه عبدالعزيز اما انا فلست بمتشدد فيها.))

یعنی کنت سمعہ کے یہ معنی بیان کرنا کہ بندہ کے کان آنکھ وغیرہ اعضاء حکم الہی کی نافرمانی نہیں کرتے حق الفاظ سے تجاوز اور کجروی ہے۔ اس لیے کہ بصیغہ متکلم اللہ تعالیٰ کا قول کنت سمعہ فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عبد مقرب بالنوافل یعنی بندہ میں سوائے جسد و صورت کے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہو گیا ہے اور یہی وہ معنی ہیں جن کو حضرات صوفیائے کرام فنا فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی بندہ کا اپنے خواہشات نفس سے بالکل پاک ہو جانا یہاں تک کہ اس بندہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے قطعاً متصرف نہ رہے اور حدیث مذکور (کنت سمعہ) میں وحدۃ الوجود کی طرف چمکتا ہوا اشارہ ہے۔ ہمارے مشائخ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے زمانہ تک اس مسئلہ وحدۃ الوجود میں بڑے تشدد اور حریص تھے لیکن میں اس کا قائل تو ہوں لیکن تشدد نہیں ہوں۔

اس عبارت سے مسئلہ وحدۃ الوجود کا اکابر و مشائخ دیوبند کے نزدیک حق ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اب شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ (انتباہ ص ۹۱ پر لا إله إلا الله کے تحت فرماتے ہیں ”نیست هیچ معبود دے و مقصودے و موجود لے مگر حق تعالیٰ مبتدی را ارادہ عوام بگوید نیست هیچ معبودے، و متوسط را ارادہ خواص بگوید نیست هیچ مقصودے، و منتہی را ارادہ اخص بگوید نیست هیچ موجودے۔“

اسی طرح ”انفاس العارفين“ میں شاہ ولی اللہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں: ”کفر شریعت د و معبود پند اشتن است“ اسی طرح ص ۳۳ پر بھی ایسی عبارت ہے:

مولانا محمد یار پر کفر کا فتویٰ لگانے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے والد ماجد دو موجود حقیقی جاننے کو کفر حقیقی فرما رہے ہیں اس کے بعد دیوبندیوں کے

مسلم بزرگ انور شاہ کشمیری کی عبارت سے محی الدین ابن عربی کی توثیق سنیہ فیض الباری جلد اول ص ۷۴ پر لکھتے ہیں:

((اما اهل العلم منهم فاکثرها تتعلق بحل مسائل الصفات
و غیرہ ونعمت الکشف ہی .))

یعنی حضرات صوفیاء کرام میں سے جو لوگ اہل علم ہیں ان میں اکثر حضرات امور الہیہ میں مسائل ذات و صفات سے تعلق رکھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شیخ اکبر کی توثیق ہمارے جلیل القدر فقہائے کرام نے بھی فرمائی ہے دیکھیے ”در مختار“ جلد دوم ص ۳۰ مطبوعہ نول کشور لاہور میں شیخ اکبر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((انه كان رحمۃ اللہ علیہ شیخ الطريقة حالا وعلما وامام الحقیقۃ
حقیقتا واسما ومحی رسوم المعارف فعلا واسما .))

الحاصل..... مولانا محمد یار صاحب کے اشعار کا مبنی مسئلہ وحدۃ الوجود ہے اگر وحدۃ الوجود کو شرکیہ عقیدہ کہا جائے تو تمام مشائخ دیوبند کافر و مشرک قرار پائیں گے کیونکہ وہ سب وحدۃ الوجود پر متشدد ہیں جیسا کہ انور شاہ کشمیری کی عبارت منقولہ بالا سے ثابت ہے پھر ان اشعار کی بنا پر اگر مولانا محمد یار صاحب کی تکفیر کی جائے تو حضرت شیخ اکبر کی عبارات منقولہ بھی بالکل مولانا موصوف کی عبارت جیسی ہے لہذا ان دونوں کی تکفیر بھی لازم آتی ہے شاہ ولی اللہ کا مخالفین کے نزدیک مسلم بزرگ ہونا اس قدر واضح ہے کہ اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں اور شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی توثیق انور شاہ صاحب کشمیری اور صاحب در مختار کی عبارتوں سے ظاہر ہے لہذا شیخ اکبر علیہ الرحمہ کی تکفیر انور شاہ صاحب اور صاحب در مختار کی تکفیر کو مستلزم ہوگی کیونکہ کافر کی تکفیر فرض ہے اور اس کی توثیق حرام بلکہ کفر ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ مولانا محمد یار صاحب کا دامن اس مسئلہ میں ایسے اکابر امت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وتمت بالخیر۔

تبصرہ:

قارئین! بتائیے ان دلائل کی بنیاد پر محمد ﷺ کو خدا مانا جاسکتا ہے؟ نعوذ باللہ من ذلك .

یہ تو وہی کفر ہے جو عیسائیوں نے کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (المائدہ: ۷۲)

”بلاشبہ وہ کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح بن مریم ہے۔“

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثُ ثَلَاثٍ﴾ (المائدہ: ۷۳)

”یقیناً وہ کافر ہیں جنہوں نے کہا اللہ تین تین میں تیسرا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا کفر و شرک بیان فرمایا اور واضح فرمایا حلول اور تثلیث کا عقیدہ کفر ہے اور ان کے ماننے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ عیسائیوں کا غلو تھا۔ اس افراط اور غلو نے عیسائیوں کے دین کو برباد کر دیا۔ اس لیے فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ (المائدہ: ۷۷)

”کہہ دیجئے اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔“

جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ کو نبوت کے مقام سے ہٹا کر معبود بنا لیا اور گمراہ ہو گئے اس طرح سید احمد سعید کاظمی صاحب نے محمد ﷺ کو خدا ثابت کرنے کے لیے صوفیاء کے حوالے دے کر یہ کہا کہ اس مسئلہ میں محمد یار صاحب کا دامن ایسے اکابر امت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ نعوذ باللہ من ذلك .

۲۔ محمد اول مخلوق ہیں:

پاکستان میں سید احمد سعید کاظمی بریلوی مسلک کے امام ہو گزرے ہیں انہوں نے اپنی کتب کے ذریعے حقیقت محمدیہ کے نظریہ کو عام کیا۔ اپنی مشہور کتاب ”تسکین الخواطر“ میں مسئلہ حاضر و ناظر پر بحث کی ہے اس مسئلہ کو حقیقت محمدیہ کی بنیاد پر ثابت کیا ہے۔ علامہ جلال دوانی کی ایک عبارت پیش کی۔ لکھتے ہیں:

”محقق دوانی فرماتے ہیں: اس مقام پر تحقیق کلام یہ ہے کہ تمام اصحاب نظر و برہان اور ارباب شہود و عیاں اس بات پر متفق ہیں کہ بوسیلہ قدرت و ارادہ خدائے قدوس امر ”کن فیکون۔“ سے سب سے پہلے جو گوہر مقدس دریائے غیب مکنون سے ساحل شہود پر آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا جسے حکماء (یونانی فلسفی) کے عرف میں عقل اول کہتے ہیں اور بعض احادیث میں قلم اعلیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اکابر ائمہ کشف و تحقیق (یعنی ابن عربی اور اس کے ساتھی صوفیاء) اسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ اس جوہر نورانی نے اپنے آپ کو اور اپنے خالق بے مثال کو اور ان تمام افراد موجودات کو جو بتوسط اس جوہر نورانی کے خالق بے مثال سے صادر ہو سکتے ہیں جس طرح وہ افراد موجودات سے پہلے تھے اور اب ہیں اور آئندہ ہوں گے سب کو جملہ کیفیات کے ساتھ تمام و کمال جان لیا اور تمام حقائق موجودات بطور الطوائف علمی اسی جوہر بسیط نورانی (حقیقت محمدیہ) میں مندرج اور مخفی تھیں جس طرح دانہ ایک خاص طریقہ پر شاخوں پتوں اور پھلوں پر مشتمل ہوتا ہے کل افراد موجودات اسی ترتیب کے موافق جس کے ساتھ اس جوہر بسیط نورانی (یعنی حقیقت محمدیہ) میں پوشیدہ ہیں کین گاہ قوت سے جلوہ گاہ فعل اور سراپردہ غیب سے میدان شہود میں بصورت مواد خارجیہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔“ ①

تبصرہ:

جلال دوانی نے صوفیاء کی طرح اصطلاحات کا خوب استعمال کیا ہے اور ان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ امت مسلمہ ان صوفیاء کی عبارت کو مشکل سمجھ کر اس عظیم سازش کو نہ جان سکیں جس کے ذریعے یہ اسلام کے بنیادی عقائد پر حملہ آور ہیں۔ اور یہ صوفیاء وحدۃ الوجود، حقیقت محمدیہ، قلم اعلیٰ، جوہر نورانی جیسی اصطلاحات کے ذریعے محبت رسول کی آڑ میں شرک و

کفر کو اسلام کا رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اہل ایمان کے لیے ان کے کفر کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ جلال دوانی کی عبارت نقل کر کے سید احمد سعید کاظمی جن عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:

”اس ایمان افروز بیان سے تصریحات منقولہ بالا کی تائید کے علاوہ مندرجہ ذیل امور بھی واضح ہو گئے۔“

- ۱۔ حضور ﷺ اول مخلوق ہیں۔
- ۲۔ حضور ﷺ عقل اول اور قلم اعلیٰ ہیں۔
- ۳۔ حضور ﷺ جو ہر بسیط نورانی ہیں۔
- ۴۔ حضور ﷺ تمام کائنات کے حقائق لطیفہ کے جامع ہیں۔
- ۵۔ حضور اللہ تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں اور تمام موجودات و مخلوقات اور ان کے جمیع احوال کو تمام و کمال جانتے ہیں۔ ماضی حال، مستقبل میں کوئی شیء کسی حال میں ہو حضور ﷺ سے مخفی نہیں۔
- ۶۔ تمام موجودات خارجیہ کا ظہور حقیقت محمدیہ سے ہوتا ہے حتیٰ کہ ترتیب ظہور بھی وہی ہے جو حقیقت محمدیہ میں مستور ہے۔^①

۳۔ حقیقت محمدیہ نہ اولاد آدم میں شامل ہے اور نہ بشر ہے:

مفتی احمد یار خان نعیمی جو ریلوایت کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں لکھتے ہیں:

”ایک ہے شخص محمدی دوسری ہے حقیقت محمدی یہ شخص محمدی اس جسم اطہر کا نام ہے جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ بی بی آمنہ کے لطن سے پیدا ہوا اور تمام نبیوں کے بعد اس دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ جو اس دنیا میں اپنے تمام رشتوں سے منسلک ہے بی بی آمنہ کا نور نظر ہونا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سر تاج ہونا۔ اپنی اولاد کا والد ہونا۔ ان تمام رشتوں کے ساتھ جو آپ کی قرابت ہے یہ سب اسی

بشری وجود کی صفات میں داخل ہیں حقیقتہ محمدیہ مشائخ صوفیہ کی اصطلاح میں ذات مطلق کے پہلے تعین کا نام ہے..... حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی پہلی تجلی ہیں اور باقی جتنی مخلوق ہیں وہ پہلی تجلی کے بعد خدا کی دوسری تجلیات کی مظہر ہے وجود غضری کی جہت سے آپ کے بارے میں قرآن میں اس طرح فرمایا گیا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ”آپ فرمادیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔“ اور حقیقتہ محمدیہ کے بارے میں خود حضور ﷺ نے فرمایا: میں اس وقت نبی تھا جب کہ حضرت آدم آب و گل میں جلوہ گر تھے یہ حقیقتہ محمدیہ نہ اولاد آدم میں شامل ہے۔ نہ بشر ہے اور نہ مثلکم ہے اور نہ اسے کسی کا باپ نہ کسی کی اولاد کہہ سکتے ہیں بلکہ یہ حقیقتہ محمدیہ ساری کائنات کی اصل ہے..... آپ کا نور ہونا، رب کی دلیل اور برہان ہونا اسی حقیقتہ محمدیہ کی صفات ہیں۔ حقیقتہ محمدیہ کی تشریح مثنوی میں کافی تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی نشر الطیب میں حقیقتہ محمدیہ کو خوب اچھی طرح ثابت کیا ہے تفسیر روح البیان میں ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ کے تحت لکھا ہے کہ تمام روحوں روح محمدی سے پیدا ہوئیں لہذا حضور ابوالا روح ہیں۔“^①

تبصرہ:

ان بریلوی علماء نے حقیقت محمدیہ کو اول مخلوق، عقل اول اور جوہر بسیط نورانی قرار دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو تخلیق کائنات کے لیے علت مادیہ کا محتاج ثابت کیا۔ اہل تشیع کے نزدیک وہ مادہ اول جس سے اس ساری کائنات کا آغاز ہوا وہ نور محمدی اور انوار الائمہ ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے ائمہ اہل بیت اور ذات نبویہ بشریت اولاد آدم سے بالکل خارج ہو جاتے ہیں۔ اہل روافض کے ایک مشہور اسکالر ڈاکٹر کاظم علی نے ”نورہ محمد اور ذرہ نور۔“ میں یہی ثابت کیا ہے۔ جبکہ قرآن مجید ان تمام نظریات کا رد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس تخلیق کے لیے کسی مادے کا

① رسالہ نوراز مفتی احمد یار خان نعیمی بحوالہ اسلامائزیشن فلسفہ توحید اور وحدۃ الوجود کا تحقیقی مطالعہ۔

محتاج نہیں۔ اس کی شان یوں بیان فرمائی:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (یس: ۸۲)

”جب وہ کسی بات کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جاتو وہ ہو جاتا ہے۔“

یعنی وہ کسی اول مادہ کا محتاج نہیں ہے۔ نہ اسے میٹر بل اور مشینوں کا اہتمام اور انتظام کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے ارادے کی تکمیل کے لیے کسی چیز کا محتاج نہیں۔ وہ صرف حکم دیتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے فرمایا:

﴿قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الرعد: ۱۶) ”کہہ دیجئے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔“
جب وہ ہر چیز کا خالق ہے تو کائنات کی ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔ حقیقت محمدیہ کو مخلوق ماننے کی بجائے ذات مطلق کا پہلا تعین کہنا گمراہی ہے۔

بتائیے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں یا رسول اللہ ﷺ کے کسی فرمان میں حقیقت محمدیہ کا ذکر ہے؟ اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ بریلوی علماء کبھی حقیقت محمدیہ کو محمد بن عبد اللہ ﷺ سے الگ کر کے پیش کرتے ہیں اور کبھی محمد بن عبد اللہ ﷺ کے عصری وجود پر حقیقت محمدیہ کا اطلاق کر کے حب رسول کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی اکثریت کو حب رسول کی آڑ میں شرک میں ملوث کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شرک و کفر کو سمجھنے کی توفیق دے، آمین۔

۴۔ تمام کائنات حضور علیہ السلام کے فیض کی محتاج ہے:

سید احمد سعید کاظمی اسی فلسفے کو آسان کر کے یوں بیان کرتے ہیں:

ہمارا مسلک ہے کہ حضور ﷺ مبدأ کائنات ہیں۔ حضور فخر کائنات ہیں اور مجھے کہنے دیجئے کہ حضور ﷺ مقصود کائنات ہیں۔ صاحب روح المعانی نے عارفین کا ایک قول نقل کیا ہے کہ آپ ”رحمة للعالمین“ کیوں ہیں؟ فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے حضور اقدس اصل ہیں اور تمام عالمین اس کی فرع۔ اصل کہتے ہیں جڑ کو۔ اور فرع کہتے ہیں شاخ کو۔ یہ بتاؤ جس درخت کی جڑ نہ ہو تو کیا شاخیں باقی رہیں گی۔ اگر درخت کی جڑ سوکھ جائے۔ شاخیں

ہری رہیں گے درخت کی جڑ کو جلا دو تو شاخیں موجود رہیں گی نہیں بالکل نہیں۔ ارے درخت کی جڑ سے تو سارا کام ہوتا ہے۔ جڑ جو ہے تنے کو غذا پہنچا رہی ہے۔ پہلے جڑ تنے کو غذا پہنچاتی ہے پھر جڑ کی پہنچائی ہوئی غذا تنے سے موٹی موٹی شاخوں میں پہنچتی ہے پھر چھوٹی چھوٹی شاخوں میں پہنچتی ہے اور پھر پتوں میں پہنچتی ہے اور پھولوں میں پہنچتی ہے اور ثمر میں پہنچتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ سارا اتنا اس جڑ کا محتاج ہے جب اس جڑ کا فیض جاری ہے تو شاخیں ہری ہیں اور جڑ کا فیض ختم ہو جائے تو شاخیں سوکھ جائیں میرے آقا ﷺ تمام کائنات کے ذرے ذرے کے لیے اصل ہیں، اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ اوپر ہے خواہ زمین کے نیچے ہے وہ ہواؤں میں ہے وہ فضاؤں میں ہے تحت میں ہے فوق میں ہے عرش میں ہے فرش میں ہے جہاں بھی کوئی زندہ ہے مصطفیٰ کی جڑ کے لیے شاخ ہے آپ کا فیض اس طرح کائنات کے ذرے ذرے کو پہنچ رہا ہے جیسے جڑ کا فیض شاخ کے ہر جزو کو پہنچ رہا ہے میرا ایمان ہے کہ مصطفیٰ اگر نہ ہوں تو کائنات زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر وہ مر گئے تو ہم کیسے زندہ رہ گئے۔^①

اس عقیدہ میں سید احمد سعید کاظمی صاحب اکیسے نہیں ہیں بلکہ ان کے مسلک کے دوسرے علماء بھی ان کی تائید کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

”حضور ﷺ تمام کائنات کی اصل ہیں وکل الخلق من نوری اصل کا اپنی فرع میں اور مادے کا سارے مشتقات میں ایک کا ہمارے عددوں میں پایا جانا ضروری ہے۔“

ہر ایک ان سے ہے وہ ہر ایک میں ہیں
وہ ہیں ایک علم حساب کے
بنے دو جہان کے وہی بنا
وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں^②

① ذکر حبیب، ص: ۱۴۰، ۱۳۰

② جاء الحق، ص: ۱۴۴

احمد رضا خان بریلوی اس فلسفے کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

”تمام جہان اور اس کا قیام سب انہیں کے دم قدم سے ہے یہ عالم جس طرح ابتداءے آفرینش میں ان کا محتاج تھا کہ لولاک لما خلقت الافلاک یوں ہی اپنی بقا میں بھی ان کا محتاج ہے آج اگر وہ اپنا قدم درمیان سے نکال لیں تمام عالم ابھی ابھی فنائے مطلق ہو جائے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا
وہ جو نہ ہوں گے تو کچھ نہ ہوگا
جان ہیں وہ جہان کی
جان ہے تو جہان ہے ۱

تبصرہ:

قارئین کرام! دیکھئے کس طرح جب رسول کی آڑ میں شرک پھیلایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ (یونس: ۴۹)
”آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔“

﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ (الحج: ۲۱)
”کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کا اختیار نہیں۔“
﴿قُلْ إِنِّي لَنْ يُخَيِّرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾
(الحج: ۲۲)

”کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا۔ اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی پا نہیں سکتا۔“

کائنات کے ذرے ذرے کو رسول اللہ ﷺ کے فیض کا محتاج کہنے والوں کے پاس ان آیات کا کیا جواب ہے؟ رسول اللہ ﷺ تو یہ اعلان کریں کہ میں اپنی جان کے لیے اور تمہارے لیے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر عاشقانِ رسول یہ کہیں کہ آپ تمام کائنات کے مختارِ کل ہیں آپ کے در سے ساری دنیا کو رزق، اولاد، محبت اور مال و متاع تقسیم ہوتے ہیں۔

۵۔ حضور اکرم حاضر ناظر ہیں کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ کائنات کے ذرے ذرے میں جاری و ساری ہے:

سید احمد سعید کاظمی صاحب مسئلہ حاضر ناظر ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم محمد بن عبد اللہ ﷺ کو ہر جگہ موجود نہیں مانتے بلکہ آپ کی حقیقت محمدیہ کو کائنات کے ذرے ذرے میں جاری و ساری مانتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

”حضور اکرم ﷺ کے لیے جو لفظ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ کی بشریت مطہرہ ہر جگہ ہر ایک کے سامنے موجود ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روح دو عالم (روح الاکوان) ﷺ کی حقیقت منورہ ذرات عالم کے ہر ذرہ میں جاری و ساری ہے جس کی بنا پر حضور ﷺ اپنی روحانیت اور نورانیت

کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔“ ①

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کو حضور کی جسمانیت اور بشریت مطہرہ کے ساتھ حاضر ناظر نہیں مانتے بلکہ حضور کی حقیقت مقدسہ کو ذات کائنات میں جاری و ساری مانتے ہوئے روحانی طور پر آپ کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ ②

اس میں شک نہیں کہ نماز میں السلام علیک ایہا النبی کہنے کا حکم بھی اس امر پر مبنی ہے کہ جب حقیقت محمدیہ تمام ذرات کائنات میں موجود ہے تو ہر عبد مصلیٰ کے باطن میں

اس کا پایا جانا ضروری ہے۔ (ص ۴۵)

کاظمی صاحب نے روح الاکوان کی بنیاد پر مسئلہ حاضر و ناظر ثابت کیا پھر روح الاکوان کا منہوم صوفیہ کی مشہور تفسیر عرائس البیان سے بیان کیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ خالق کائنات نے اپنی کل مخلوقات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ حضرت محمد ﷺ کا نور مبارک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک جزو سے عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ سب کا صدور و ظہور ان ہی کے نور سے ہے لہذا ان کا ہونا مخلوق کا ہونا ہے اور ان کا موجود ہونا وجود خلق کا موجب ہے... سب کے وجود کا سبب وہی ہیں...

۲۔ قضاء قدرت میں تمام مخلوقات صورت مخلوقہ کی طرح بے جان اور روح حقیقی کے بغیر پڑی ہوئی حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی جب حضرت محمد ﷺ عالم میں تشریف لائے تو تمام کائنات وجود محمدی سے زندہ ہو گئی اس لیے تمام مخلوقات کی روح (روح الاکوان) حضور اکرم ﷺ کی ذات ہی ہے۔^۱

تبصرہ:

بتائے قرآن و سنت میں ان باتوں کی کوئی دلیل ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں آپ کی حقیقت منورہ جاری و ساری ہے جس کی بنا پر آپ اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بیک وقت مقدر مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اگر کائنات کے ذرہ ذرہ میں حقیقت محمدیہ جاری و ساری ہے تو پھر قرآن مجید کی ان آیات کا کیا مطلب ہے:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اِيْهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾

(آل عمران: ۴۴)

”یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب یہ قلمیں پھینک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کا

پر پرست بیٹے، اور نہ اس وقت موجود تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے۔“
﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾ (ہود: ۴۹)

”یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے قبل نہ آپ اور نہ آپ کی قوم انہیں جانتی تھی۔“

جب آپ ماضی میں ہونے والے ان واقعات کو نہیں دیکھ رہے تھے تو یہ کہنا کیسے درست ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں حقیقت محمدیہ جاری و ساری نہیں ہے؟
۶۔ حضور ﷺ کے آفتاب حیات سے ہر ایک کو حیات ملی ہے کیونکہ وہ اصل کائنات ہیں لہذا زندہ ہیں:

سید احمد سعید کاظمی نے اس عقیدے کو جس طرح بیان کیا ملاحظہ فرمائیں:
”اس حیثیت سے کہ حضور ﷺ اصل کائنات ہیں۔ آپ کی حیات مقدسہ وجود ممکنات کے آسمان کا چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ مخلوقات کی تمام انواع و اقسام اور افراد بمنزلہ آئینوں کے ہیں۔ ہر آئینہ اپنے مقام پر مخصوص کیفیت اور جداگانہ قسم کی استعداد کا حامل ہے۔ اس لیے ہر فرد اپنے حسب حال اس آفتاب حیات سے اکتساب حیات کر رہا ہے۔ خلق و امر، اجسام و ازواج، اعیان و معانی، ارض و سما، تحت و فوق ان سب کا نور حیات اس آفتاب حیات محمدی کی شعائیں ہیں۔ البتہ عالم ممکنات کا اس معدن حیات سے قرب و بعد اور افراد کائنات میں استعداد کی قوت و ضعف مراتب حیات میں ضرور موجب تفاوت ہے نفس حیات سب میں پائی جاتی ہے۔ لیکن ہر ایک کی حیات اس کی حالت کے مناسب ہے۔ مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، ہر ایک کا مبداء فیض ذات نبویہ کا وجود ہے اور حضور ہی کے آفتاب حیات سے ہر ایک مومن میں حیات کی روشنی پائی جاتی ہے۔ آفتاب حیات اگر غروب ہو جائے تو تمام آئینے اپنے نور سے محروم ہو

جائیں گے۔ ان تمام آئینوں میں نور کا پایا جانا آفتاب کے چمکنے کی دلیل ہے اس طرح عالم ممکنات کے کسی ایک ذرے میں نور حیات کا پایا جانا آفتاب حیات محمدی کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔“^①

احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

”اور نصوص متواترہ اولیاء کرام وائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیاوی، ظاہری یا باطنی روز ازل سے اب تک، اب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت تک۔ آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا فاجر، ملک یا انسان، جن یا حیوان، بلکہ تمام ماسوی اللہ جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی انہیں کے ہاتھوں پر بٹی ہے اور بٹے گی۔ یہ سربالوجود اور اصل وجود، خلیفہ اللہ اعظم اور ولی نعمت عالم ہیں۔“^②

حضور اکرم ﷺ اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں۔ تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا ہے، جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام جنت ان کی جاگیر ہے ”ملکوت السماوات والأرض“ حضور کے زیر فرمان ہے جنت و دوزخ کی کنجیاں آپ کے دست اقدس میں دے دی گئیں۔^③

قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

”وجہ اس فرق کی وہی تفاوت حیات ہیں یعنی حیات نبوی بوجہ عرضیت قابل زوال نہیں اور حیات مومنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے اس لیے موت کے وقت حیات نبوی زائل نہ ہوگی ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مومنین سناری یا آدمی زائل ہو جائے گی سودر صورت تقابل عدو ملکہ اس استنار حیات میں آپ کی

① حیات النبی از کاظمی، ص: ۹۰.

② جزاء اللہ عدوہ، ص: ۲۳ بحوالہ فیصلہ کن مناظرہ ص ۵۶.

③ بہار شریعت: ۲۲ ج ۱.

ذات کو تو مثل آفتاب سمجھیے کہ وقت کسوف اوٹ میں حسب مزعوم حکماء اس کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا یا مثل شمع چراغ خیال فرمائیے کہ جب اس کو کسی ہانڈی یا مٹکے میں رکھ کر اوپر سے سوپوش رکھ دیجیے تو اس کا نور بالبداہت مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا اور دوبارہ زوال حیات مومنین کو مثل قمر خیال کیجیے کہ وقت کسوف اس کا نور زائل ہو جاتا ہے۔ یا مثل چراغ سمجھیے کہ گل ہونے کے بعد اس میں نور بالکل نہیں رہتا البتہ روغن یا فتیلہ یا کسی قدر تھوڑی دیر فتیلہ کے سرے میں آتش باقی رہ جاتی ہے۔“^①

مزید لکھتے ہیں:

”انبیاء علیہم السلام کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا اور دوسروں کے اموال میں جاری ہونا اس امر پر شاہد ہے کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کا ان کے ابدان سے اخراج نہیں ہوتا مثل نور چراغ اطراف و جوانب سے سمیٹ لیتے ہیں ان کے سوا دوسروں کی ارواح کو ان کے ابدان سے خارج کر دیتے ہیں اس لیے سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے اور اسی لیے ان کی زیارت وفات کے بعد بھی ایسی ہے جیسے ایام حیات میں احیاء کی زیارت ہوا کرتی ہے اور اس وجہ سے یوں نہیں کہہ سکتے کہ زیارت نبی ﷺ مثل زیارت مسجد زیارت مکان مکین ہے اور اسی وجہ سے ”لا یشد الرحال“ وہاں اہتمام سے جانا ممنوع ہے بلکہ وہ زیارت مکاں مکین ہے۔“^②

بریلوی علماء کی طرح دیوبندی علماء بھی حیات النبی کے قائل ہیں۔ قاسم نانوتوی صاحب کا نظریہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ایسے ہی نظریات کا اظہار محمد طاہر قاسمی صاحب عقائد اسلام قاسمی صفحہ ۷۴ پر کر رہے ہیں:

”یہ حیات النبی کا عقیدہ علماء دیوبند کے عقائد میں داخل ہے ”المہند علی

المغند“ علمائے دیوبند کے عقائد کی ایسی مستند کتاب ہے جس پر بہت سے علماء دیوبند کی تصدیقات موجود ہیں، اس میں یہ عقیدہ لکھا ہوا ہے آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا جیسی ہے برزخی نہیں ہے۔“^۱

معروف دیوبندی عالم اخلاق حسین قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جو ہمارے اکابر میں ہیں حضرت محمد قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کے بہترین شارح ہیں اس مسئلہ پر تحریر فرماتے ہیں:

”حضور کی حیات برزخی ہے مگر اس قدر قوی ہے کہ بلحاظ آثار وہ دنیوی بھی ہے... یہی وجہ ہے کہ بعد وفات حضور کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی، جنازہ میں کلام فرمایا اور قبر میں کلام فرمایا جس کو بعض صحابہ نے سنا، یہ تو وفات کے فوری بعد ہے کہ روح نے جسم کو کلیتہً نہیں چھوڑا، لیکن بعد میں تا حشر بھی روح کا وہی تعلق بدن سے قائم رہے گا جیسا کہ نص حدیث اجساد انبیاء کا مٹی پر حرام ہونا ثابت ہے۔ اگر ان ابدان میں کوئی روح نہیں ہے تو انہیں گل جانا چاہیے، پھر حیات کا یہ اثر عالم برزخ میں ہے، عالم دنیا میں یہ ہے کہ ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوتی، ان کی ازواج پر بیوگی نہیں آتی، ان کے نکاح حرام ہوتے ہیں نہ صرف عظمت انبیاء کی وجہ سے بلکہ حقیقتاً حیات کی وجہ سے کہ وہ بیوہ ہی نہیں ہیں، پس انبیاء کی یہ برزخی حیات جسمانی و از قبیل دنیوی بھی ہے کہ اجساد میں حس و حرکت بھی ہے، قبروں میں عبادت بھی ہے، کلام بھی ہے، امت کی طرف توجہ بھی ہے، پھر یہی حیات از قبیل حیات برزخی بھی ہے کہ نگاہوں سے اوجھل ہے، ان کی آواز ان کانوں میں نہیں آتی اور کلام ان حسی کانوں میں نہیں پڑتا، نیز امت کے حال کی طرف توجہ اور رخ کا پھیرنا ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا، سو اس میں ہماری کمزوری کو یعنی ضعف قوی کو دخل ہے نہ کہ ان آثار کے

موجود نہ ہونے یا قابل وجود نہ ہونے کا، بالفاظ مختصر دونوں حیاتیں اس طرح جمع ہیں کہ حیات برزخی اصل ہے اور حیات دنیوی اس کے تابع، یعنی وہ عیناً موجود ہے اور یہ آثاراً موجود ہے۔ اسی طرح دونوں حیات جمع ہو جاتی ہیں نہ استعارۃً بلکہ حقیقتاً۔^①

تبصرہ:

قارئین کرام! بتائیے قرآن مجید کی کس آیت میں اور رسول اللہ ﷺ کے کس فرمان میں ان نظریات کی تائید ہوتی ہے، کیا صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ دین حیات ذاتی، حیات دنیوی یا حقیقت محمدیہ کی گمراہیوں سے واقف تھے؟ یقیناً نہیں، پھر جو عقائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نہ تھے آج وہ ابن عربی اور دیگر صوفیا کی پیروی میں من گھڑت روایات کی بنیاد پر کیسے اسلامی ہو سکتے ہیں؟

اگر رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں، قبر میں کلام فرماتے ہیں، ان کی ازواج مطہرات بیوہ ہی نہیں ہوئیں تو پھر ان دلائل کا کیا جواب ہے:

۱۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ وہ دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو چاہے لے لے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے تو اس بندے نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کیا، یہ بن کر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان، اس پر ہمیں تعجب ہوا لوگوں نے کہا کہ اس بزرگ کو دیکھو کہ رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے بارے میں بتا رہے ہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان، لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور ابو بکر ہم میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔“^②

① حیاۃ النبی از اخلاق حسین قاسمی ص ۱۲۔

② بخاری: ۳۹۰۴۔ مسلم: ۲۳۸۲۔

اگر آپ فوت ہی نہیں ہوئے تو ابو بکر کا رونا اور اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

۲۔ اگر رسول اللہ قبر سے کلام فرماتے ہیں اور امت کی طرف توجہ بھی ہے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کیا مطلب رکھتا ہے کہ اس دن سے تابناک اور بہترین دن کوئی نہ تھا جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے اور کوئی دن اس سے زیادہ تاریک نہ تھا جس دن آپ نے وفات پائی۔ ❶

۳۔ اگر نبی رحمت ﷺ کی روح بدن سے خارج نہیں ہوئی تو پھر جب رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سرگوشی کی اور بتایا کہ آپ اپنے اسی مرض سے وفات پا جائیں گے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا ہارنے کیوں لگ گئی تھیں؟ ❷ اور آپ کی وفات کے بعد شدت غم سے انس رضی اللہ عنہ سے کیوں کہا کہ تم نے کس دل سے اللہ کے نبی ﷺ کے جسم پر مٹی ڈالی۔ ❸

۴۔ اگر آپ فوت ہی نہیں ہوئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کے جواب میں کہ ”آپ ﷺ اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا نہ کر دے۔“ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مشہور خطبہ کا کیا مطلب ہے، جس میں آپ نے فرمایا:

((أما بعد: من كان منكم يعبد محمداً فإن محمداً قد مات،

ومن كان منكم يعبد الله فإن الله حي لا يموت.))

”اما بعد! تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، کبھی نہیں مرے گا، پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَلَا يَمَاتُ أَوْ كُتِلَ

❶ ابن ماجہ: ۱۶۳۱، بخاری: ۴۴۳۳، مسلم: ۲۴۵۰.

❷ مسلم: ۴۴۶۲.

انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ (آل عمران: ١٤٤)

”اور محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پر پھر جائے تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا عنقریب اللہ تعالیٰ شکرگزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔“

اس آیت کو سن کر ابن عباس رضی اللہ عنہما کیوں کہتے ہیں؟

واللہ! ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے جانا ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے یہ آیت لے لی اور ہر انسان اس کی تلاوت کر رہا تھا۔

اور اس آیت کو سن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کیوں کہتے ہیں؟

واللہ! میں نے جوں ہی ابو بکر کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو جان گیا کہ یہ برحق ہے، پس میں ٹوٹ کر رہ گیا، حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے سہارا ہی نہیں رہے تھے، اور میں زمین کی طرف لڑھک گیا اور میں جان گیا کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات ہو چکی۔^①

۷۔ حضور عالم الغیب ہیں:

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں:

((هوَ ﷻ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْآيَةِ وَكَيْفَ يَخْفَىٰ ذَلِكَ وَالْأَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ أَمْتِهِ يَعْلَمُونَهَا وَهُمْ دُونَ الْغَوْثِ فَكَيْفَ بَسِيْدُ الْوَلِيْنِ وَالْآخِرِيْنَ الَّذِي هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ))^②

”قرآن میں ہے کہ پانچ چیزوں کا علم کوئی نہیں جانتا۔ ہاں حضور اقدس سے ان

پانچ چیزوں کا علم مخفی نہیں رہ سکتا۔ آپ کی شان تو بہت اونچی ہے بلکہ آپ کی امت کے سات اقطاب بھی ان پانچ چیزوں کا علم رکھتے ہیں! حالانکہ یہ اقطاب غوث کے مقام سے کم درجہ رکھتے ہیں تو بتائیے اس علم میں غوث کی کیا شان ہوگی۔ جب آپ کی امت کے غوث اور اقطاب بھی ان چیزوں کا علم رکھتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ سید الاولین والآخرین ہیں اور آپ کا وجود اقدس تخلیق کائنات کا باعث ہے۔ صرف باعث ہی نہیں بلکہ اصل کائنات ہونے کی وجہ سے تمام کائنات آپ کے وجود سے ظاہر ہوئی ہے۔“

تبصرہ:

بریلوی علماء ان آیات پر غور کیوں نہیں کرتے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (النمل: ۶۵)

”کہہ دو جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کی باتیں نہیں جانتے سوائے اللہ کے اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔“

سید البشر محمد رسول اللہ ﷺ سے اعلان کروایا:

﴿وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (الأنعام: ۵۰)

”اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سَتَكَثُرَتْ مِنَ الْغَيْرِ وَمَا مَسْنَى السُّوءِ﴾

(الأعراف: ۱۸۸)

”اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے

کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔“

اللہ تعالیٰ کے علم میں کسی دوسرے کو شریک سمجھنا شرک فی العلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ نے قرب قیامت کی علامات، دجال کی آمد اور نزول عیسیٰ سمیت بہت سے واقعات بیان فرمائے اور جب اللہ نے اطلاع نہیں دی تو:

۱:..... آپ نے اس منافق کے ساتھ ستر جلیل القدر صحابہ بھیج دیئے جس نے کہا تھا کہ اسے تبلیغ اسلام کے لیے مبلغین چائیں اور راستہ میں اس نے دھوکہ سے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کروادیا۔^①

۲:..... آپ نے ایک یہودی کے ہاں زہر آلود کھانا کھالیا جس سے ایک صحابی موقع پر شہید ہو گئے اور وفات کے وقت زہر نے آپ پر بھی اثر دکھایا۔^②

۳:..... منافقین نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی۔ آپ ایک ماہ تک سخت پریشان رہے۔ ایک ماہ بعد اللہ نے بذریعہ وحی عائشہ رضی اللہ عنہا کو بری کیا اور آپ کی پریشانی دور ہوئی۔^③

۸۔ حضور کائنات کے ذرہ ذرہ کے لیے رحم فرمانے والے ہیں:

سید احمد سعید کاظمی صاحب قرآن مجید کی آیت کو اپنے مسلک کی بنیاد بناتے ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء: ۱۰۷)

”اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ تمام کائنات، کل مخلوق، ایک ایک

ذرہ، ایک ایک قطرہ، اللہ کے سوا ہر شے کے لیے رحم فرمانے والے ہیں۔ کسی رحم

کرنے والے کے لیے چار باتیں لازم ہیں:

② ابوداؤد: ۲۶۱۷، مسلم: ۲۱۹۰.

① صحیح بخاری: ۴۰۹۰، مسلم: ۶۷۷.

③ بخاری: ۴۷۵۰.

۱:..... سب سے پہلے یہ امر لازم ہے کہ رحم کرنے والا زندہ ہو مردہ نہ ہو کیونکہ مردہ رحم نہیں کر سکتا۔ وہ خود رحم کا طالب و مستحق ہوتا ہے لہذا اگر حضور ﷺ معاذ اللہ زندہ نہ ہوں تو رحمۃ للعالمین نہیں ہو سکتے جب آیۃ قرآنیہ سے حضور ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ثابت ہو گیا تو حضور ﷺ کا زندہ ہونا ثابت ہو گیا۔

۲:..... دوسری بات یہ کہ صرف زندہ ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جاسکتا جب تک رحم کرنے والا مرحوم کے حال کا عالم نہ ہو کیونکہ بے خبر کسی پر کیا رحم کرے گا۔ آیت قرآنیہ کی روشنی میں حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں تو جب تک حضور ﷺ تمام عالمین کا ماسوی اللہ جمیع کائنات و مخلوقات کو نہ جانیں اور جمیع ”ماکان وما یکون“ کا علم حضور ﷺ کو نہ ہو تو اس وقت تک حضور ﷺ رحمۃ للعالمین نہیں ہو سکتے جب حضور ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ثابت ہے تو تمام کائنات کے احوال کا عالم ہونا بھی ثابت ہو گیا ہے۔

۳:..... تیسری بات یہ ہے کہ صرف عالم ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جاسکتا جب تک رحم کرنے والا مرحوم تک اپنی رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار نہ رکھتا ہو اس سے معلوم ہوا قدرت و اختیار کا ہونا بھی رحم کرنے کے لیے ضروری ہے جب حضور ﷺ تمام مخلوقات اور کل کائنات کے لیے علی الاطلاق راحم ہیں تو ہر ذرہ کائنات تک رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار بھی حضور ﷺ کے لیے حاصل ہے۔

۴:..... چوتھی بات یہ ہے کہ صرف قدرت و اختیار سے کام نہیں چلتا۔ کسی رحم کرنے والے کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ رحم کرنے والا مرحوم کے قریب ہو یہ بات تو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھیے کہ مثلاً آپ تین فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے ہیں اچانک کیا دیکھتے ہیں ایک خونخوار دشمن نے آپ کے مخلص دوست پر حملہ کر دیا ہے۔ وہ چلا کر آپ سے رحم کی درخواست کرنے لگا

آپ اس کی مدد کے لیے دوڑے اور خلوص قلب سے اس پر رحم کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن نے اسے ہلاک کر دیا۔ اب غور کریں آپ زندہ بھی ہیں اور اس دوست کو پچشم خود ملاحظہ بھی فرما رہے ہیں اس کے حال سے بھی واقف ہیں۔ رحم کرنے کی قدرت و اختیار بھی آپ کو حاصل ہے لیکن اپنے اختیار سے رحم نہیں کر سکتے صرف اس وجہ سے کہ وہ مخلص دوست آپ سے دور ہے اور آپ اس سے دور ہیں۔ آپ اپنی حیات، قدرت و اختیار کے باوجود بھی اس پر رحم نہیں کر سکتے معلوم ہوا کہ رحم کرنے کے لیے راحم کا مرحوم کے قریب ہونا بھی ضروری ہے اس آیت قرآنیہ سے جب رسول کریم ﷺ کے لیے تمام جہانوں اور مخلوقات کے ہر ذرے کے لیے راحم ہونا ثابت ہو گیا تو یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ حضور کریم ﷺ اپنی روحانیت و نورانیت کے ساتھ تمام کائنات کے قریب ہیں اور ساری کائنات حضور کے قریب ہے اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ ایک ذات تمام جہانوں کے قریب کیسے ہو سکتی ہے ایک فرد کسی ایک کے قریب تو ہوگا اس کے علاوہ باقی سب سے دور ہوگا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ فرد واحد افراد کائنات میں ہر ایک کے قریب ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن دو کے درمیان نزدیکی مقصود ہے اگر وہ دونوں کثیف ہوں تو واقعی ایسا ہی ہو گا کہ فرد واحد افراد مختلفہ فی الزمان و المكان سے بیک وقت قریب نہیں ہو سکتا۔ اور دونوں لطیف ہوں یا دونوں میں سے ایک لطیف ہو تو جو لطیف ہوگا تو بیک وقت تمام موجودات کائنات کے قریب ہو سکتا ہے جس میں کوئی شرعی یا عقلی استحالہ لازم نہیں آتا۔ اس لیے حضور کا تمام افراد ممکنات سے قریب ہونا بالکل واضح اور روشن ہے ہم کثیف سہی لیکن حضور ﷺ تو لطیف ہیں لہذا حضور کا ہم سے قریب ہونا کوئی دشوار عمل نہیں۔ آواز کی لطافت کا یہ حال ہے کہ جہاں تک ہوا جاسکتی ہے آواز بھی وہاں تک پہنچ سکتی ہے۔ لیکن حضور آواز اور ہوا سے بھی

زیادہ لطیف ہیں ہوا اپنے مقام محدود سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور آواز ہوا سے آگے نہیں جاسکتی لیکن جہاں آواز اور ہوا بھی نہ جاسکے، آواز اور ہوا تو کیا، یوں کہیے کہ جہاں حضرت جبرائیل کا بھی گزر نہ ہو سکے وہاں حضور ﷺ پہنچ جاتے ہیں بلکہ جہاں زمانہ اور مکان بھی نہ پایا جاسکے وہاں بھی حضور ﷺ پائے جاتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو شب معراج کا واقعہ سامنے رکھ لیجئے جس سے آپ کو ہمارے بیان کی پوری تصدیق ہو جائے گی لہذا ایک آیت سے پانچ مسائل وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گئے یعنی حضور ﷺ تمام عالموں کے لیے رحمت فرمانے والے ہیں لہذا زندہ ہیں اور تمام کائنات کے حالات و کیفیات کے عالم بھی ہیں اور ساتھ ہی ہر عالم کے ہر ذرے پر اپنی رحمت اور نعمت پہنچانے کی قدرت اور اختیار بھی رکھتے ہیں اس کے ساتھ تمام عالم کو محیط اور تمام کائنات کی ہر شے سے قریب بھی ہیں، نیز ایسے روحانی، نورانی اور لطیف ہیں کہ جس کی بنا پر آپ کا کسی ایک چیز کے قریب ہونا دوسری سے بعید ہونے کو مستلزم نہیں۔ بلکہ بیک وقت تمام افراد عالم سے یکساں قریب ہیں۔“

نیز لکھتے ہیں:

”جب وہ رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے روح دو عالم ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عالم کا کوئی فرد یا جزو اس رحمت مقدسہ سے خالی ہو جائے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہو کر روح کائنات ہیں اور عالم کے ہر ذرے میں روحانیت محمدیہ کے جلوے چمک رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی یہ جلوہ گری علم و ادراک اور نظر و بصر سے معزّی ہو کر نہیں ہو سکتی کیونکہ روحانیت و نورانیت ہی اصل ادراک اور حقیقت نظر و بصر ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات و ممکنات کے حقائق لطیفہ پر حضور نبی کویم ﷺ حاضر و

ناظر ہیں اس مضمون کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ امر خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ علماء عارفین اور اولیاء کاملین نے جو حقیقت محمدیہ کو تمام ذرات کائنات میں جاری و ساری بتایا ہے ان کا اصل یہی آیہ مبارکہ ہے۔^①

تبصرہ:

ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں:

((وَأُولَى الْقَوْلِينَ فِي ذَلِكَ بِالصَّوَابِ الْقَوْلَ الَّذِي رَوَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَ بِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ ﷺ رَحْمَةً لِّجَمِيعِ الْعَالَمِ مُؤْمِنِهِمْ وَكَافِرِهِمْ فَأَمَّا مُؤْمِنُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ هَدَاهُ بِهِ وَادْخَلَهُ بِأَلَا يَمَانٍ بِهِ وَالْعَمَلُ بِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْجَنَّةَ وَأَمَّا كَافِرُهُمْ فَسَانَهُ دَفَعَ بِهِ عَنْهُ عَاجِلَ الْبَلَاءِ الَّذِي كَانَ يَنْزِلُ بِأَلَا مِمَّ الْمَكْذِبَةِ رَسَلَهَا مِنْ قَبْلِ.))^②

”اور ان دونوں باتوں میں سے (کہ محمد ﷺ صرف مومنین کے لیے رحمت ہیں یا کافر و مومن سب کے لیے) زیادہ صحیح بات وہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ یعنی مومنین کے لیے بھی اور کفار کے لیے بھی۔ پس مومنین کے لیے رحمت یہ ہے کہ انہیں آپ کے ذریعے ہدایت نصیب ہوئی اور وہ ایمان کے حامل بنے اور جو دین محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اس پر عمل کیا اس طرح اللہ نے انہیں جنت میں داخل کیا اور کفار کے لیے رحمت یہ ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب اچانک نہیں آئے گا جو پہلی

① تسکین الخواطر، ص: ۴۴.

② جامع البیان فی تفسیر القرآن ص ۸۳ شائع کردہ دارالمعرفہ للطباعة وانشربیروت البنان.

قوموں پر رسولوں کی تکذیب کے نتیجے میں ناگہانی طور پر نازل کیا جاتا تھا۔“
 قارئین کرام! سیرت رسول کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ کاظمی صاحب نے جو کچھ
 بھی بیان کیا ہے وہ محمد بن عبد اللہ کی صفات نہیں ہیں۔ کاظمی صاحب کا یہ فرمانا کہ امت محمدیہ
 کے نزدیک یہ امر قطعی ہے کہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ میں کاف خطاب
 سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں بالکل درست ہے۔ مگر کون محمد رسول اللہ؟ امت کے نزدیک
 محمد رسول اللہ ﷺ سے مراد محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین
 میں سے کوئی ایک بھی اس سے مراد حقیقت محمدیہ نہیں لیتا۔ وہ اس آیت کا مطلب یہ بیان
 کرتے ہیں۔ آپ پوری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جس نے آپ کی بات
 کو قبول کیا اور ایمان لے آیا گویا اس نے اس رحمت کو قبول کر لیا۔ اور وہ دنیا و آخرت کی
 سعادتوں سے ہمکنار ہوا۔ اور آپ ان کے لیے بھی اس معنی میں رحمت ہیں جنہوں نے آپ
 کے دین کو قبول نہ کیا کہ وہ قوم نوح اور قوم لوط کی طرح بالکل تباہ و برباد نہیں کیے جائیں گے
 حقیقت محمدیہ اور وحدۃ الوجود جیسے عقائد سے صحابہ، تابعین اور سلف صالحین بری ہیں۔

”رحمة للعالمین“ کا یہ مفہوم قرآن میں ہے نہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھایا اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ اہل سنت نے اس پر عمل کیا کہ آپ کو مشکل کشا جان کر
 ”اغثنی یا رسول اللہ“ کے نعرے لگائے جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کی بخشش کروانے کی کوشش کی مگر اللہ نے سفارش کو
 قبول نہ کیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

عبد اللہ بن ابی جب فوت ہوا تو اس کا بیٹا سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی
 خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے اپنا خاص پہنا ہوا کرتا عنایت فرمائیں تاکہ
 میں اس میں اپنے والد کو کفنواؤں۔ آپ نے انہیں اپنا کرتہ مبارک عطا فرمایا۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے
 ایک اور گزارش کی کہ آپ خود اس کا نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ نے ان کی یہ گزارش بھی
 قبول فرمائی اور اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن

تھام لیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا آپ اس کا نماز جنازہ پڑھائیں گے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ آیت تلاوت کی:

﴿اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (التوبہ : ۸۰)

”آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (فرق نہیں پڑے گا) اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی دعائے مغفرت کریں تو بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے میں ستر سے بھی زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے یا رسول اللہ یہ منافق تھا۔ تاہم رسول اللہ نے صحابہ کرام کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾ (التوبہ : ۸۴)

”اور ان منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو نہ اس کی نماز (جنازہ) پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔“ ❶

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سید احمد سعید کاظمی نے رحمة اللعالمین کی بنیاد پر جو کچھ بیان کیا ہے قرآن و سنت اس کی تائید نہیں کرتے۔

۹۔ حضور ﷺ نبوت سے پہلے قرآن کا علم جانتے تھے:

مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

”ہماری اس تحریر پر بعض افراد کی طرف سے ایک شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ لے سکتے ہیں تو پھر ان کے اور رب کے درمیان جبرائیل کا واسطہ کیوں رکھا گیا اور وحی کا سلسلہ کیوں قائم کیا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ﴾ (الشعراء : ۱۹۳/۲۶)

”حضرت جبرئیل نے یہ قرآن آپ کے دل پر اتارا۔“

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم بلا واسطہ رب سے کچھ نہیں لے سکتے ایسے ہی رسول بلا واسطہ اس سے کچھ نہیں لے سکتے۔ وہ حضرات ایک اور رسول کے حاجت مند ہیں جنہیں شریعت کی زبان میں روح القدس یا جبرئیل کہتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے حضرت جبرئیل اور ان کے معاونین فرشتوں کو رسول بتایا۔

اس شبہ کا ازالہ: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وحی کی آمد اور جبرئیل کا حضور ﷺ پر آنا قانون کے اجرا کے لیے ہے نہ کہ رسول اکرم ﷺ کے علم کے لیے رب تعالیٰ نے حضور کو پہلے ہی سب کچھ سکھا پڑھا کر بھیج دیا مگر قوانین الہی کا بندوں میں اجراء اس وقت ہوگا جب بذریعہ وحی قانون نازل فرمایا جائے گا اس کے چند دلائل یہ ہیں۔ ایک یہ کہ رب العالمین نے قرآن کریم کی تعریف اس طرح فرمائی ہدی للمتقین یہ قرآن پرہیز گاروں کا ہادی ہے یعنی اے محبوب تمہارا ہادی نہیں تم تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہو کہیں ہدی لک نہ فرمایا کہ یہ قرآن آپ کے لیے ہدایت ہے۔

دوسرے یہ کہ نزول قرآن کا سلسلہ حضور ﷺ کی عمر شریف کے چالیس سال کے بعد شروع ہوا مگر حضور کی چالیس سالہ زندگی صدق و امانت، راست گفتاری و پاکبازی کا مرقع تھی۔ حتیٰ کہ کفار نے آپ کو ”أمین و صادق الوعد“ کا خطاب دے رکھا تھا اگر آپ کی ہدایت نزول قرآن پر موقوف ہوتی تو آپ کے یہ چالیس سال اپنے ماحول کے مطابق عام اہل عرب کے مطابق گزرتے اور احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس دراز مدت میں کفر و شرک تو کیا کبھی کھیل کو دمتاشوں، شراب اور جھوٹ وغیرہ کے بھی قریب نہ گئے۔

تیسرے یہ کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت سرکار غار حرا میں ۶ ماہ سے اعتکاف، نماز، سجدہ و رکوع وغیرہ عبادت میں مشغول تھے، غور کیجئے کہ اس زمانے میں حضور ﷺ نے یہ عبادتیں کس سے سیکھیں تھیں۔

چوتھے یہ کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کو نماز کا تحفہ معراج کی رات لامکان میں

پہنچ کر عطا ہوا اور معراج کے سویرے فجر کی نماز نہ پڑھائی گئی۔ ظہر کے وقت سے متواتر دو روز تک جبرائیل امین حاضر ہوتے رہے اور حضور ﷺ کو ہر وقت کی نماز پڑھاتے رہے تب نماز پچگانہ جاری کی گئی مگر یہ بھی غور کیا کہ معراج کی رات فرش سے عرش پر جاتے ہوئے حضور ﷺ نے بیت المقدس میں سارے انبیاء کرام کو نماز پڑھائی اس طرح آپ امام ہوئے اور سارے انبیاء مقتدی۔ جن میں بعض مؤذن اور بعض مکبر بنے۔ غور تو کرو نماز لینے جارہے ہیں مگر نماز پڑھا کر جارہے ہیں اور کن کو نماز پڑھائی۔ ماوشا کو نہیں بلکہ ان انبیاء کرام کو جو اپنی امتوں کو نماز پڑھاتے، بتاتے اور سکھاتے رہے اور یہ مسئلہ معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کا امام شرعاً وہ ہوتا ہے جو تمام مقتدیوں سے زیادہ نماز کے مسائل سے واقف ہوتا ہے۔

پانچویں یہ کہ حضور ﷺ پر وحی بواسطہ جبرائیل علیہ السلام نہ ہوتی تھی وحی کا بیشتر حصہ وہ ہے جو بلا واسطہ جبرائیل حضور پر القا ہوتا تھا رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

”ہمارے محبوب اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سب وحی الہی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔“

اور ظاہر ہے کہ ہر کلام پر جبرائیل امین وحی لے کر نہ آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۖ﴾

”پھر ہمارے محبوب قریب سے قریب ہوئے چنانچہ پھر دو کمانوں میں ہو گئے پھر رب نے اپنے بندے کو جو وحی کی سوکی۔“

ظاہر بات یہ ہے کہ اس قرب خاص کے وقت جو وحی کی گئی وہاں جبرائیل امین کا گمان و خیال بھی نہ پہنچ سکا.....

غنیے ما او حسی کے وہ چٹکے دنا کے باغ سے

لبل سدرہ تک ان کی بو سے محروم ہیں

بہر حال یہ ماننا ہی پڑے گا کہ رب العالمین اور محبوب کے درمیان جناب جبریل امین کی آمد و رفت اور وحی کا سلسلہ اجراء قوانین کے لیے ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ کے محض علم کے لیے۔ ورنہ پھر جیسے ہم حضور کے امتی ہیں حضور جبرائیل کے امتی ہوئے اور جیسے ہم حضور ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں حضور جبرائیل امین کا کلمہ پڑھتے۔^①

تبصرہ:

قارئین کرام! بخاری و مسلم میں وحی کے آغاز کا قصہ موجود ہے، اس قصہ پر غور فرمائیے یہ قصہ مفتی نعیمی صاحب کی غلط فہمی کا بہترین ازالہ پیش کر رہا ہے:

”ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تھے کہ آپ کے پاس وحی لے کر جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا پڑھ، آپ نے فرمایا: میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، آپ فرماتے ہیں: پھر جبرائیل علیہ السلام نے مجھ کو پکڑ کر ایسا بھیجا کہ میں بے طاقت ہو گیا پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ، میں نے کہا کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں (کیونکر پڑھوں) انہوں نے مجھ کو پھر پکڑا اور دوسری بار اتنا دبایا کہ میری طاقت نے جواب دے دیا، پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ میں نے کہا (کیسے پڑھوں) میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، انہوں نے پھر مجھ کو پکڑا اور تیسری مرتبہ دبایا پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا:

﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝﴾

پس یہ آیات سن کر آپ پہاڑ سے لوٹے، آپ کا دل (ڈر کے مارے) کانپ رہا تھا، آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا: مجھ کو پکڑا اوڑھا دو، مجھ کو پکڑا اوڑھا دو، آپ کو پکڑا اوڑھایا گیا، جب آپ کا ڈر جاتا رہا تو آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ بیان کر کے فرمایا مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہرگز نہیں

اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، پھر وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے، جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے، بوڑھے ضعیف ہو کر نابینا ہو گئے تھے، آپ نے جو کچھ دیکھا وہ ان سے بیان کیا، ورقہ بن نوفل نے کہا کہ وہ تو اللہ کا فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر اتارتا تھا، کاش میں اس وقت جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تم کو تمہاری قوم (اپنے شہر سے) نکال دے گی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا یہ مجھے نکال دیں گے؟“ ورقہ نے کہا: ہاں (بے شک نکال دیں گے) جب کبھی کسی شخص نے ایسی بات کہی جیسی تم کہتے ہو تو لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔“ ❶

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ”میں ایک بار راستے میں جا رہا تھا، اتنے میں میں نے آسمان سے آواز سنی، آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان میں ایک کرسی پر بیٹھا ہے، میں یہ دیکھ کر ڈر گیا، اپنے گھر لوٹا میں نے گھر والوں سے کہا مجھ کو کپڑا اوڑھا دو، مجھ کو کپڑا اوڑھا دو۔“ ❷

اور اگر قرآن حکیم کا نزول صرف قوانین الہی کا بندوں میں اجراء کے لیے تھا اور آپ کو پہلے ہی سے سب کچھ سکھا پڑھا کر بھیجا تھا تو ان آیات کا کیا مطلب ہے؟

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِنشَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِّنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (الشوری: ۵۲)

”اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے، آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں، بیشک آپ راہ راست کی رہنمائی کر رہے ہیں۔“

﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ﴾ (الفصص: ۲۸)

”آپ کو تو کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی لیکن یہ آپ کے رب کی مہربانی سے اتر۔ اب آپ کو ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہیے۔“

سورۃ نجم کی جن آیات کو مفتی نعیمی صاحب بنیاد بنا کر لکھتے ہیں کہ وحی کا بیشتر حصہ وہ ہے جو بلا واسطہ جبرائیل حضور ﷺ پر القا ہوتا تھا، اس کی تفسیر مسروق رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ (النجم: ۸، ۹)

اس سے کون مراد ہے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ اس سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔^① ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس نے یہ گمان کیا کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ ”اس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں جن کو میں نے صرف دو مرتبہ ان کی اصل صورت میں دیکھا۔“^②

جب یہاں بھی مراد جبرئیل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا قرآن مجید جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَنَزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۖ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۖ﴾ (الشعراء: ۱۹۱)

”بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے جسے روح الامین لے کر آپ کے دل پر نازل ہوا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔“

دوسرا مسئلہ معراج کو جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھانا، اس پر مفتی نعیمی صاحب کا یہ کہنا کہ آپ معراج پر نماز لینے جا رہے تھے مگر نماز پڑھا کر جا رہے تھے غلط ہے، رسالت شروع ہونے کے بعد سب سے پہلے جو حکم دیا گیا وہ نماز کا حکم تھا، جبریل علیہ السلام نے تشریف لا کر نماز اور وضو کا طریقہ بتایا، صبح اور شام دو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا، بلکہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں نماز کے علاوہ کسی عبادت کا پتہ نہیں چلتا، معراج پر تو پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں۔

۱۰۔ تمام انبیاء حقیقت محمدیہ سے فیض لیکر اپنی امت کو پہنچاتے رہے یعنی تمام انبیاء کی نبوت آپ کی نبوت کے واسطے سے ہے:

محمد رسول اللہ ﷺ کو اصل کائنات اور اللہ تعالیٰ کے تمام فیوض کا واسطہ قرار دے کر ان صوفیاء نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ ﷺ کی نبوت بالذات ہے اور باقی تمام انبیاء کی نبوت بالعرض ہے تمام انبیاء نبی ﷺ کے طفیلی ہیں سارے انبیاء حقیقت محمدیہ سے فیض لے کر اپنی امت کو پہنچاتے رہے ہیں اس لیے محمد ﷺ نبی الانبیاء بھی ہیں اس نظریہ کی تشریح صوفیائے دیوبند کی زبانی سینے قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

”اب سینے وصف نبوت میں بھی یہی تقسیم ہے کہیں نبوت ذاتی ہے اور کہیں عرضی ہے سورسول اللہ ﷺ کی نبوت تو ذاتی ہے اور سوا آپ کے سب انبیاء کی نبوت عرضی ہے دلیل نفلی تو اس کے لیے آیت: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ ہے اس لیے کہ سب کی نبوت اگر اصلی ہے تو پھر سب مساوی الاقدام ہیں اس صورت میں مقتضائے حکمت حکیم مطلق یہ ہونا تھا کہ کوئی کسی کا تابع اور مقتدی نہ

ہوتا۔“ ①

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”وَيْتِمُ نِعْمَةً عَلَيْكَ“ تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اسمِ علیمِ ربی روح

محمدی ﷺ ہو اس لیے کہ سورۃ فتح میں اتمامِ نعمت خاص آپ کے لیے ہے اور سورۃ مائدہ میں ﴿وَأَتِمَّمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ اگرچہ خطاب عام ہے مگر مقصود بالذات آنحضرت ﷺ ہیں اور سب آپ کے طفیلی ہیں اور آپ امام ہیں۔“ ①

قاسم نانوتوی صاحب کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیے:

”تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی کا مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا مثال درکار ہے تو لیجئے زمین کو ہزار اور درود یوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں ہے اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی سو اسی طور رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت کو تصور فرمائیے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے مگر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں ہے آپ پر سلسلہ نبوت ختم ہو جاتا ہے غرض آپ جیسے نبی الامتہ ہیں ویسے نبی الانبیاء بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شہادت ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ اور انبیاء کرام سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے اقتدار اور اتباع کا عہد لیا گیا ہے۔“ ②

ایک اور مقام پر قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

”اور انبیاء علیہم السلام آں حضرت ﷺ سے فیض لے کر اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں غرض بیچ میں واسطہ فیض ہیں مستقل بالذات نہیں... باقی انبیاء بھی مثل آئینہ بیچ میں واسطہ فیض ہیں غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے کوئی ذاتی کمال نہیں۔“ ③

قاری طیب صاحب لکھتے ہیں:

”آپ کا اصل امتیازی وصف یہ ہے کہ آپ نور نبوت میں سب انبیاء کے مربی، ان کے حق میں مصدر فیض اور ان کے انوار و کمال کی اصل ہیں، اس لیے اصل میں نبی آپ ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اصل سے نہیں بلکہ آپ کے فیض سے نبی ہوئے ہیں... حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آ گیا نبی ہو گیا، اس طرح نور نبوت آپ ہی سے اور آپ ہی پر لوٹ کر ختم ہو گیا، اور یہی شان خاتم کی ہوتی ہے کہ اسی سے اس کے وصف خاص کی ابتدا بھی ہوتی ہے اور اسی پر انتہا بھی ہو جاتی ہے، اس لیے ہم آپ کو وصف نبوت کے لحاظ سے صرف نبی ہی نہیں کہیں گے بلکہ خاتم النبیین کہیں گے کہ آپ ہی پر تمام انوار نبوت کی انتہا ہے۔“^①

عقائد علمائے دیوبند کی مشہور کتاب المہمند میں بھی صاف اقرار کیا ہے کہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت آپ کی نبوت کے واسطے سے ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ”التالیف قلب الالیف بکتابہ فہر س التوالیف“ میں اس تربیت کی اس طرح تشریح کرتے ہیں سارے پیغمبر نیچے اتر کر حضور کے مدرسہ میں حاضر ہوئے اور آپ کے مکتب میں شاگرد بنے ہر ایک نبی نے علم کی ایک کتاب اور دین کا ایک باب حضور سے پڑھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر دنیا کو فیض دینے کے لیے مسند نبوت پر جا گزیں ہوئے اور اللہ کے احکام کی مخلوق کو تعلیم دی ان رسولوں میں سب سے پہلے آدم تھے جو والد ہونے کے باوجود اپنے سچے فرزند کے مدرسہ میں با ادب دوزانو بیٹھے۔ تمام زبانیں اور چیزوں کے نام حضور سے سیکھے پھر خلافت الہیہ کی مسند پر جا گزیں ہوئے اور ملائکہ مقررین کی تعلیم و تربیت فرمانے لگے جس سے حضرت آدم کا حق استادی سارے فرشتوں پر ثابت ہوا اور آخر کار ان کے مجود بن گئے۔^②

محمد منظور نعمانی صاحب اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

”آپ نبی باندات ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام بالعرض اس اصطلاح میں صرف مولانا نانوتوی ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ بہت سے اگلے علماء محققین بھی اس کی تصریح فرماتے ہیں ان کی عبارت نقل کر کے ہم کتاب کو ضخیم بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ خود احمد رضا خان بریلوی نے بھی اس مسئلہ کو اس طرح لکھ دیا ہے کہ اس کے بعد کسی دوسرے کی عبارت نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی فاضل بریلوی اپنے رسالے جزاء اللہ عدوہ کے صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں اور نصوص متواترہ اولیاء کرام وائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیاوی، ظاہری یا باطنی، روز اول سے اب تک اور اب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت تک، آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا فاجر، ملک یا انسان، جن یا حیوان، بلکہ تمام ماسوئی اللہ میں جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی انہوں کے ہاتھوں پر بیٹی اور بیٹی ہے اور بٹے گی یہ سر الوجود اور اصل وجود، خلیفہ اللہ اعظم ولی نعمت عالم ہیں۔“^①

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عالم میں جو کچھ نعمت روحانی یا جسمانی، دینی یا دنیاوی، ظاہری یا باطنی کسی کو ملی ہے وہ آپ ہی کے دست کرم کا نتیجہ ہے اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کی روحانی نعمت ہے لہذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو آپ کے واسطے سے ملی ہے اسی حقیقت کا نام نانوتوی صاحب کی اصطلاح میں خاتمیت ذاتی اور خاتمیت مرتبی ہے۔“^②

۱۱۔ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی (ختم نبوت) میں کچھ فرق نہ آئے گا:

ختم نبوت کے اس تبدیل شدہ مفہوم کی بنیاد پر قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

① رسالہ جزاء اللہ عدوہ از احمد رضا ص ۲۳۔ ② فیصلہ کن مناظرہ از منظور نعمانی ص ۵۶۔

”اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہوتا یہ جیسا انبیاء گزشتہ کا وصف نبوت میں آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا۔ اس میں انبیاء گزشتہ ہوں یا کوئی اور اس طرح اگر فرض کیجیے آپ کے زمانے میں بھی اس زمین پر یا کسی اور زمین پر یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ کا محتاج ہوگا۔“^①

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”غرض اختتام اگر بائیں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“^②

”ہاں اگر خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے جیسا کہ اس عاجز نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ ﷺ اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی ﷺ نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی پر آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“^③

تبصرہ:

یہ گمراہ عقائد نہ قرآن حکیم کی کسی آیت سے ثابت ہیں نہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے حتیٰ کہ صحابہ کرام اور ائمہ اہل سنت ان نظریات سے بری تھے صوفیاء کے ان نظریات کا رد قرآن مجید جگہ جگہ فرما رہا ہے:

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (الأحقاف: ٤٦)

”آپ کہہ دیجئے! کہ میں کوئی انوکھا پیغمبر تو نہیں۔“

② تحذیر الناس ص: ۱۳.

① تحذیر الناس، ص: ۱۲.

③ تحذیر الناس، ص: ۲۴.

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾

(آل عمران: ۱۴۴)

”اور محمد صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔“
یعنی جس طرح مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں میں بھی انہیں جیسا ایک رسول ہوں یہ آیت ان کے تمام خود ساختہ نظریات کا رد کر رہی ہے۔

اگر تمام رسول علیہم السلام محمد رسول اللہ ﷺ کے شاگرد ہیں اور انہوں نے دین کا باب آپ سے پڑھا ہے تو ان کے حالات سے آپ بے خبر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ

عَلَيْكَ﴾ (النساء: ۱۶۴)

”اور بعض رسولوں کے حالات ہم نے آپ سے بیان کیے اور بعض رسولوں کے حالات ہم نے آپ سے بیان نہیں کیے۔“

قاسم نانوتوی صاحب نے ختم نبوت کا جو مفہوم بیان کیا ہے کہ اصل میں نبی آپ ہیں باقی انبیاء آپ کے فیض سے نبی ہوئے یہ نظریہ غلو ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور جس کی وجہ سے اہل کتاب گمراہ ہوئے۔ اس ”غلو“ سے آپ ﷺ نے اپنے فرمودات با برکات میں بے حد ڈرایا ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے کہا یا محمد یا سیدنا یا ابن سیدنا و خیرنا و ابن خیرنا، اے محمد، اے ہمارے سردار، اے ہمارے سردار کے بیٹے، ہم سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے بیٹے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے لوگو اپنی باتوں کا تم خود خیال رکھو، شیطان تمہیں ورغلانے نہ پائے، میں

محمد بن عبد اللہ، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اللہ کی قسم مجھے یہ پسند نہیں کہ تم

مجھے میرے اس مرتبہ سے اونچا کرو کہ جس پر اللہ نے مجھے فائز فرمایا ہے۔“^①

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی میں جھگڑا ہو گیا اس کی وجہ یہ بنی کہ اس یہودی نے قسم ان الفاظ کے ساتھ اٹھائی: ”اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی، مسلمان سے یہ برداشت نہ ہو سکا اور اس نے یہودی کو چاٹنا مارا اور کہا اے خبیث کیا رحمت عالم ﷺ پر بھی موسیٰ علیہ السلام کو فوقیت ملی ہے؟ یہ معاملہ جب آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا: ”مجھے پیغمبروں پر فوقیت نہ دو کیونکہ قیامت کے دن تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے پھر مجھے سب سے پہلے ہوش آئے گا اور میں موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پاؤں گا۔ معلوم نہیں وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا طور والی بے ہوشی کے بدلے بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔“ ①

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”انبیاء کو ایک دوسرے پر فوقیت نہ دو۔“ ②

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو تمام انبیاء و رسل پر فضیلت دی گئی ہے۔ جیسا کہ کئی احادیث سے یہ بات ثابت ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اس پر فخر نہیں، اس دن میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا، اس پر فخر نہیں، اس دن آدم اور اس کے علاوہ تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، مجھے سب سے پہلے زمین سے نکالا جائے گا، کوئی فخر نہیں۔“ ③

لیکن آپ کا دیگر انبیاء سے مقابلہ کرواتے ہوئے آپ کی افضلیت ثابت کرنا درست نہیں ہے۔ آپ کی شان میں وہ بات کہنا بھی غلط ہے کہ جس کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہ ہو۔

② بخاری ۲۴۱۴۔ مسلم ۲۳۷۴۔

① بخاری ۳۴۱۴۔ مسلم ۲۳۷۳۔

③ جامع ترمذی: ۳۶۱۵۔

مولانا عبدالمجید سوہدروی نے کرامات الہمدیث نامی کتاب لکھی۔ جس میں بعض علماء الہمدیث کی کرامات درج کی ہیں۔ صرف دو ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ سردار جلال الدین کی اولاد نہ ہوتی تھی۔ ایک بار اسے پتا چلا کہ فیروز پور شہر میں ایک مستانہ ہے جو مجذوب ہے اور بالکل ننگ دھڑنگ رہتا ہے وہ اس کے پاس گیا اور اس سے بیٹا مانگا۔ مجذوب بولا، نالائق اگر بیٹا لینا ہے تو لکھو کی جا۔ سردار جلال الدین نے دل میں کہا کہ وہاں تو سب وہابی ہی وہابی ہیں بھلا وہاں بیٹا کیسے ملے گا؟ مجذوب نے کہا نالائق جاتا نہیں؟ تجھے بیٹا یہاں سے نہیں بلکہ وہاں سے ملے گا۔ سردار اس مستانہ کے ارشاد پر لکھو کی پہنچا اور اہل حدیث بزرگ عبدالرحمن لکھوی کو سارا واقعہ بیان کیا۔ عبدالرحمن صاحب نے کہا میں تیرے لیے دعا تو کر دیتا ہوں مگر تو منکر قرآن ہے۔ تیری سات بیویاں ہیں جبکہ قرآن نے چار سے زیادہ کی اجازت نہیں دی۔ تین کو یہاں طلاق دے۔ تو..... پھر آپ نے دعا فرمائی۔ اگلے ہی سال اس کے ہاں فرزند ہوا۔ (ص: ۶۶)

۲۔ ایک بار قلعہ میاں سنگھ میں ایک حجام مولانا غلام رسول رحمہ اللہ کی حاجت بنا رہا تھا کہ اس نے یہ شکایت کی، حضور میرا بیٹا کئی سال سے باہر گیا ہوا ہے۔ جس کا ہمیں کچھ پتا نہیں کہ کہاں ہے، زندہ ہے کہ مر گیا ہے! بس یہ ایک ہی بیٹا تھا، اس کی فکر میں ہم تو مرے جا رہے ہیں۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا میاں وہ تو گھر بیٹھا ہے اور کھا رہا ہے۔ جاؤ جا کر بے شک دیکھ لو۔ حجام گھر گیا تو سچ مچ بیٹا آیا ہوا تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ بیٹے سے ماجر پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی ابھی میں سکھر سندھ میں تھا۔ معلوم نہیں مجھے کیا ہوا۔ اور کیونکر طرفہ العین میں یہاں پہنچ گیا۔ (ص: ۷۰)

جب اہل حدیث بزرگوں کے تصرف کا یہ حال ہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کا تصرف تو یقیناً ان سے بہت زیادہ ہے۔ پھر انہیں مشکلات میں پکارنا جائز کیوں نہیں؟

اسی طرح مولوی شاہ اسماعیل شہید اپنے پیر سید احمد بریلوی کی برتری ثابت کرنے کے لیے اپنی کتاب صراط مستقیم میں ایک کرامت یوں بیان کرتے ہیں۔

”حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحوں کے درمیان ایک مہینے تک اس بات پر جھگڑا چلتا رہا کہ دونوں میں کون سید احمد بریلوی کو روحانی تربیت کے لیے اپنی کفالت میں لے دونوں بزرگوں کی روحوں میں سے ہر ایک روح کا اصرار تھا کہ وہ تنہا میری نگرانی میں عرفان و سلوک کی منزل طے کرے۔

آخر کار ایک مہینے کی آویزش کے بعد اس بات پر دونوں میں مصالحت ہوئی کہ مشترک طور پر دونوں یہ خدمت انجام دیں گے۔ چنانچہ ایک دن دونوں حضرات کی روحوں میں ان پر جلوہ گر ہوئیں اور پوری قوت کے ساتھ تھوڑی دیر تک ان پر عرفان و توجہ کا عکس ڈالا۔ یہاں تک کہ اتنے ہی وقفے میں انھیں دونوں سلسلوں کی نسبتیں حاصل ہو گئیں۔“ ۱

اس قصے کی صحت تسلیم کر لینے کی صورت میں کئی سوالات ذہن کی سطح پر ابھرتے ہیں:

اولاً: یہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی ”تقویۃ الایمان“ کے مطابق جب اللہ کی عطا سے بھی کسی میں غیب دانی کی قوت نہیں ہے تو حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ نقشبند کی ارواح طیبات کو کیونکر خبر ہو گئی کہ ہندوستان میں سید احمد بریلوی نامی ایک شخص اللہ کا مقرب بندہ ہے جس کی روحانی تربیت کا اعزاز اس قابل ہے کہ اس کی طرف سبقت کی جائے۔

ثانیاً: یہ کہ واقعہ ہذا عالم شہادت کا نہیں بلکہ سر تا سر عالم غیب کا ہے۔ اس لیے مولوی اسماعیل دہلوی جو اس واقعہ کے خود راوی ہیں انھیں کیونکر علم ہوا کہ سید احمد بریلوی کی کفالت و تربیت کے لیے ان دونوں بزرگوں کی روحوں میں ایک مہینے تک آپس میں جھگڑتی رہیں اور بالآخر اس بات پر مصالحت ہوئی کہ دونوں مشترک طور پر اپنی کفالت میں لیں۔

ثالثاً:..... یہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی ”تقویۃ لایمان“ کے مطابق جب اللہ کے سوا سارے انبیاء و اولیاء بھی عاجز و بے اختیار بندے ہیں تو وفات کے بعد حضرت الوریٰ اور خواجہ نقشبند کا یہ عظیم تصرف کیونکر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ وہ دونوں بزرگ بغداد سے سیدھے ہندوستان کے اس قصبے میں تشریف لائے جہاں سید احمد صاحب بریلوی مقیم تھے اور ان کے حجرے میں پہنچ کر چشمِ زدن میں انھیں باطنی و عرفانی دولت سے مالا مال کر دیا۔

نیز واقعہ کے اندازِ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ باتیں خواب کی نہیں بلکہ عالمِ بیداری کی ہیں۔ اس لیے اب واقعہ کی تصدیق اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ ”تقویۃ الایمان“ کے موقف سے ہٹ کر اولیائے کرام کے حق میں غیبی ادراک اور قدرت و اختیار کے عقیدے کی صحت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ (زلزلہ از ارشد القادری)

ازالہ:

اکثر بریلوی اور دیوبندی علماء اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے بعض اہلحدیث علماء کی تحریروں سے دلیل پکڑتے ہیں اور وہ ثابت کرتے ہیں کہ چونکہ یہ اہلحدیث علماء بھی انہیں عقائد کا اظہار کرتے ہیں تو یہی صحیح نظریات ہیں اس لیے اس غلط فہمی کا تفصیلی جواب ضروری ہے۔
۱۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے کہ وہ لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کا طریقہ یعنی دین نازل کرے کیونکہ حلال و حرام کا تعین کرنا اور دین سازی اسی کا حق ہے اسی لیے حقیقی اطاعت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مَن دُونَهُ أُولَیَاءَ﴾

(الأعراف: ۳/۷)

”لوگو تمہارے رب کی طرف سے جو نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے

علاوہ اولیاء کی پیروی نہ کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے محمد بن عبد اللہ ﷺ کو رسالت کے ساتھ مخصوص فرما کے آپ پر اپنی

کتاب نازل فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳/۵)

”(اے مسلمانوں) آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے، اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کیا۔“

یہ آیت ۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری کو میدان عرفات میں نازل ہوئی۔ اس کے نازل ہونے کے تین ماہ بعد رسول اللہ ﷺ یہ کامل اور اکمل دین امت کو سونپ کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے اور امت کو وصیت فرما گئے: ”میں تمہارے اندر ایسی دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔“ (بیہقی، موطا امام مالک)

اور صرف محمد ﷺ ہی وہ شخصیت ہیں جو دینی امور میں اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کہتے جو بات بھی کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتی ہے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳/۵۳، ۴)

”اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے جو کہتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے۔“

اسی لیے فرمایا:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۴/۸۰)

”جس نے رسول کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

یہی وجہ ہے کہ دینی امور میں فیصلہ کن حیثیت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو

حاصل ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ

تَوَمِّنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء: ۵۹/۴)

”پس اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔“

معلوم ہوا اسلام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کا نام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسلام کی تعلیم دی۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ”براہ راست“ تربیت یافتہ تھے۔ لہذا صحابہ معیاری مسلمان تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ”اقوال و افعال رسول ﷺ“ تابعین نے اخذ کیے اور محدثین نے ان کو جمع کیا۔ یہ تمام ادوار اسلام کے عروج کے ادوار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بہترین زمانے قرار دیئے۔ سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق اور منہج سے وہی شخص انکار کرتا ہے جو قرآن مجید کی من مانی تفسیر کرنا چاہتا ہے۔ صحابہ، تابعین، ائمہ دین اور ائمہ حدیث اسی راہ پر چلے۔ اور اس راہ پر چلنے والے ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ پر چلنے والے شرک و بدعت اور اس کے مظاہر اور رسوم پر نکیر کرتے رہے ہیں۔ عقیدہ کی اصلاح کرتے ہیں اور شرک و بدعت کے تاریک غار سے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کرتے رہے ہیں؛ لہذا قرآن و سنت اور سلف صالحین کے راستے کے الٹ شرک و بدعات پر مشتمل نظریات ہم قبول نہیں کر سکتے چاہے وہ کسی بھی عالم نے بیان کیے ہوں۔ وہ عالم نہ معصوم ہے اور نہ ہمارے لیے حجت ہے۔

۲۔ پاک و ہند میں جن لوگوں نے اصلاح کا کام کیا اور اس ماحول میں حدیث کی اہمیت اور تقلید کے رد پر محنت کی بد قسمتی سے وہ لوگ تصوف کے فتنے کو نہ سمجھ سکے اور تصوف کا اثر ان میں موجود رہا۔ اس بات کا اظہار استاد محترم پروفیسر حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ خطیب جامع مسجد الہمدیث بہاولپور نے ایک خطبہ جمعہ میں یوں فرمایا:

”شاید ہی ہندوستان میں کوئی عالم ایسا ہو کیا الہمدیث کیا دیوبندی اور کیا بریلوی!

جن علماء کو اس تصوف کی تاثیر نہ لگی ہو۔ تھوڑا بہت اس تصوف کا رنگ ضرور ہوتا ہے۔ حالانکہ تصوف اس قدر خطرناک چیز ہے جتنا نقصان اسلام کو ان صوفیوں سے پہنچا ہے۔ اس تصوف کے چکر میں جتنے مسلمان برباد ہوئے ہیں۔ جتنا اسلام کے اندر اس کے ذریعے پلیدی شامل ہوئی اتنا کسی چیز نے بھی اسلام کو برباد نہیں کیا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی جنہوں نے حدیث کی بہت خدمت کی۔ صوفیوں کے بنیادی عقیدے وحدۃ الوجود کا شکار ہیں۔ یہ ہمہ اوست کا عقیدہ جدرہ دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے۔ یہ وحدۃ الوجود خالصتاً کفر کا عقیدہ ہے ایسا گندہ عقیدہ ہے جس کی انتہا نہیں جن علماء نے تھوڑا سا سوچا اور انہیں ہمہ اوست کا عقیدہ کفر نظر آیا انھوں نے تھوڑی سی ترمیم کی۔ کیوں کہ یہ بڑے بڑے بزرگوں کا عقیدہ تھا۔ انھوں نے اسے وحدۃ الشہود میں تبدیل کر دیا۔ ہمہ اوست نہیں ہمہ از اوست۔ وحدۃ الوجود کا انکار نہیں کرتے کیوں کہ بڑے بڑے لوگوں کا عقیدہ ہے اسکو نرم کرتے ہیں۔ تاکہ اس کی حدت اور شدت کم ہو جائے۔ حالانکہ دونوں نظریات کفر ہی کفر ہیں۔ شاہ اسماعیل دہلوی کی ”تقویۃ الایمان“ توحید کی بڑی معیاری کتاب ہے۔ لیکن اپنے اس ماحول میں جس میں وہ پلے بڑھے کیوں کہ تصوف کا چکر تھا چنانچہ صراطِ مستقیم میں وہ وہ کھینچیں ماری ہیں کہ پڑھ کر حیرانی ہوتی ہے۔ کہ کیا یہ شاہ اسماعیل کی کتاب ہے؟ ایسا آدمی کبھی مسلمان ہو سکتا ہے۔ (کیٹ خطبہ جمعہ)

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ثانی سے شائع شدہ ڈاکٹر ابو عدنان سہیل کی کتاب ”اسلام میں بدعت و ضلالت کے محرکات“ میں شاہ ولی اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ”انفاس العارفین“ میں تصوف کی دیگر کتابوں کی طرح ہر طرح کی رطب و یابس باتیں پائی جاتی ہیں جیسے کشف و

کرامات، عجیب و غریب واقعات، غیر اللہ کو سجدے، اللہ کا مشاہدہ بلکہ اس سے جسمانی اتصال، قبولیت، عرس، قوالی، ختم خواجگان، جنت کی بشارت، اپنی بات منوانے کے لیے اللہ کے سامنے پھل جانا اور اس سے اپنی بات منوالینا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو بدلو اڈالنا، نبی کریم ﷺ کا مجلسوں میں تشریف لانا، اللہ تک پہنچ جانے کے بعد عبادات کی ضرورت باقی نہ رہنا وغیرہ اس طرح کی تمام چیزیں اس کتاب میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس کتاب میں یہ بات بھی موجود ہے کہ بزرگوں کی قبروں سے سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں جو لوگ شاہ ولی اللہ صاحب سے نسبت اور تعلق رکھتے ہیں اور ان کے نظریات تصوف کے قائل ہیں وہ بریلوی مکتب فکر کی بوالعجیوں اور بزرگوں کی قبروں پر ہونے والے شرک و بدعات کے ہنگاموں پر جو شور و غوغا مچاتے ہیں یا اس کا رونا روتے ہیں، وہ محض دکھاوا اور مگر مچھ کے آنسو ہیں۔“ (صفحہ ۲۷۲)

شاہ اسماعیل کے متعلق لکھتے ہیں:

۱۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ مولانا اسماعیل شہید جیسا توحید کا علمبردار بھی جب تصوف کے کوچے میں گم ہوتا ہے تو اپنے سارے عقائد اور شرعی احکام و نصوص کی خلاف ورزی کرتا ہوا کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔“ (صفحہ ۲۸۵)

۲۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ جب یہی مولانا اسماعیل شہید تصوف پر قلم اٹھاتے ہیں تو شاید ان پر ایسی محویت کا عالم طاری ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی صریح نصوص اور خود اپنی تحریروں کو بھول کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے ”صراطِ مستقیم۔“

میں وہ لکھتے ہیں:

”عنایت غیبیہ اس کو چن کر اپنا خاص چیلہ بنا لیتی ہے جس طرح با اقتدار بادشاہ

اپنے بعض فرماں برداروں کو تمام رعایا سے ممتاز کر کے اپنے لیے چن لیتے ہیں اور اس کو ”چیلہ خاص“ سے ملقب کرتے ہیں۔ پس جس طرح چیلہ خاص کو اپنے آقا کے سامان میں تصرف کی اجازت ہوتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے آقا کی تمام سلطنت کو اپنی سلطنت کہہ دیتا ہے۔ اسی طرح یہ بلند مراتب و مناصب والے (یعنی اولیاء کا ملین) مجاز مطلق ہوتے ہیں عالم مثال و شہادت میں تصرف کرنے کے لیے۔“ (صراط مستقیم فارسی) عام طور پر ”اولیاء“ کے بارے میں یہ خیال پیا جاتا ہے کہ انہیں صرف ”عالم شہادت“ یعنی اس دنیا میں جسے ہم سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تصرف کرنے کی قدرت حاصل ہے، لیکن مولانا اسماعیل شہید کے اس بیان سے یہ انکشاف ہوا کہ اولیاء کے زیر اقتدار عالم مثال بھی ہے یعنی وہ غیر مرنی عالم جو دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔“^①

جناب عبدالجید صاحب ایڈیٹر اخبار الہمدیث سوہدرہ شاہ اسماعیل اور محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا موازنہ کرتے ہیں محسوس یوں ہوتا ہے کہ جناب عبدالجید صاحب نے منصب امامت اور صراط مستقیم پر بھی ہی نہیں ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں: لکھتے ہیں:

”کیا سید احمد الہمدیث تھے؟“

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید الہمدیث تھے۔ یا یونہی ان کو الہمدیث سمجھا گیا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ہر شخص بھی اپنے عقائد اور اعمال سے ہی پہچانا جاسکتا ہے اس سلسلہ میں شاہ شہید کی تصنیفات ”تنویر العینین فی اثبات رفع یدین، الايضاح الحق الصریح، منصب امامت، صراط مستقیم“

① اسلام میں بدعت و ضلالت کے محرکات، صفحہ: ۲۵۵۔

دیکھ لیجئے کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ اس کے بعد ان کے مواعظ حسنہ میں شرک و بدعات کی تردید کا پہلو اتنا نمایاں ہے کہ محمد بن عبد الوہاب کی تقریر میں بھی اتنا نمایاں نہ ہوگا۔^①

صراط مستقیم میں فوت شدہ بزرگوں کی روحوں سے ملاقات اور لوح محفوظ سے کسی بات کی دریافت کا طریقہ لکھا ہے سوچئے کیا یہ بات بھی قرآن و سنت سے ثابت کی جاسکتی ہے؟

ملاحظہ فرمائیں:

”آسمانوں کے حالات کے انکشاف، ملاقات ارواح و ملائکہ، بہشت و دوزخ کی سیر، اس مقام کے حقائق کی اطلاع، اس جگہ کے مکانوں کی دریافت اور لوح محفوظ سے کسی امر کے انکشاف کے لیے یاجی یا قیوم کا ذکر کیا جاتا ہے۔“^②

اسی لیے شیخ عبدالعزیز نورستانی صاحب مہتمم جامعہ الاثریہ اثر آباد پشاور ایک خط میں لکھتے ہیں:

”جب سے شریعت مطہرہ میں تصوف و سلوک کو جگہ دی گئی اس وقت سے صوفیت نے بڑے بڑے اکابرین امت کے شرعی ہوش و حواس مضحک کر کے غیر شعوری طور پر شریعت کے جادہ مستقیم سے ہٹا دیا۔ میں مروجہ تصوف و سلوک کو بالخصوص طرق اربعہ کو جو پاک و ہند اور افغانستان میں مروج ہیں شریعت مطہرہ کے لیے سم قاتل سمجھتا ہوں۔“

۳۔ شیطان نے ہمیشہ انسان کو تباہ کرنے کے لیے اولیاء اللہ سے محبت کا رخ اندھی عقیدت کی طرف موڑنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ قوم نوح میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر اولیاء اللہ تھے اور اللہ نے ان کے تقویٰ کی بنا پر انہیں لوگوں کا محبوب بنا دیا لیکن شیطان ان اولیاء اللہ کو آڑ بنا کر ان سے محبت میں غلو کرنے والوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو

① حقانیہ مسلک الحمد للہ حصہ اول صفحہ ۶۷ مرتبہ ابو معاویہ عبدالرحمن منیر راجوالوی

② صراط مستقیم، صفحہ: ۲۲۵۔

گیا شیطان کے اس وار سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری نظریاتی مشق یوں کروائی کہ سورۃ الانعام میں جلیل القدر انبیاء کا ذکر کیا ابراہیم، اسحاق یعقوب، نوح، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسمعیل، یسع، یونس، اور لوط علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا اور ان کی تعریف کی اور قانون کی انتہائی بالا دستی یوں بیان کر دی:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الأنعام: ۸۹)

”اور اگر یہ لوگ بھی ارتکاب شرک کر بیٹھتے تو جو اعمال یہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔“

اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کو وحی فرمائی:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ۶۵)

”یقیناً تیری طرف اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو بلاشبہ تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور یقیناً تم زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا۔“

سبائی فتنہ جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث بنا اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کی محبت کو غلو میں بدل کر بہت سا جھوٹ اور بد عقیدگی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی چنانچہ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے چند مسئلے پوچھے تو آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے منگوائے ان فیصلوں کو پڑھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ علی نے یہ فیصلے نہیں کیے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو بھٹک جاتے۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

غور فرمائیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسا کیوں کہا کیا یہ کافی نہ تھا کہ وہ کہتے کہ علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلے نہیں کیے... نہیں نہیں! ابن عباس رضی اللہ عنہما جو مفسر قرآن ہیں نبی کریم ﷺ کے صحبت

یافتہ ہیں غالباً انہوں نے ایسا اس لیے کہا کہ جو علی رضی اللہ عنہ سے اللہ کی طرح محبت کرنے لگ گیا ہے وہ سن لے کہ علی رضی اللہ عنہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں بالفرض محال اگر علی رضی اللہ عنہ بھی اللہ کی نافرمانی کرتے تو وہ بھی گمراہ ہو جاتے نافرمانی ان کے لیے بھی فرماں برداری نہیں کہلواسکتی۔ لہذا ہم عقیدہ شرک کے حاملین کو یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ تم ان علماء کی تحریرات کو شرک کی دلیل نہیں بنا سکتے اللہ کا قانون ہے کہ اگر ان علماء نے بھی عقیدہ شرک اپنایا اور توبہ نہ کی تو قیامت کے دن ان کے اعمال بھی ان کے کام نہ آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلنے اور باطل سے بچنے کی توفیق دے، آمین۔
 اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا
 وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ.

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَسَلَّم تَسْلِيمًا
 كَثِيرًا وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، آمین۔

یادداشت



Handwriting practice lines consisting of 20 horizontal dotted lines for tracing and writing.





فہم سلف والہ منہج اہل سنت کا داعی مَنبَرُ التَّوْحِيدِ وَالسَّنَةِ

40-A نور الحق کالونی، بہاولپور، فون: 0344-4762077

www.eemanway.org

ڈسٹری بیوٹر

مسجد توحید عقب سوڈیوال کوارٹرز ملتان روڈ لاہور